صحیح مسلم سے چالیس منتخب احادیث اور ان پر ہونے والے اعتراضات کے جواب

اربعین صحیح مسلم

مسائل، فوائد اور اعتراضات کے جواب

مصنف

ناقد الحدیث محقق اہلسنت

حضرت علامہ مولانا محمد دانش

حنفی قادری

ہلدوانی نینی تال اتراکھنڈ



قَالَ النَّبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم . نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَہُ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی پھر اس نے اسے دوسروں تک پہنچایا

اربعین صحیح مسلم

مسائل، فوائد اور اعتراضات کے جواب

صحیح مسلم سے چالیس منتخب احادیث اور ان پر ہونے والے اعتراضات کے جواب

ناقد الحدیث محقق اہلسنت حضرت

علامہ مولانا محمد دانش حنفی قادری

ہلدوانی نینی تال اتراکھنڈ

نام کتاب :- **اربعین صحیح مسلم**

مسائل فوائد اور اعتراضات کے جواب
صحیح مسلم سے چالیس منتخب احادیث اور ان پر ہونے والے
اعتراضات کے جواب

ناقد الحدیث محقق اہلسنت

مصنف :- **حضرت علامہ مولانا محمد دانش حنفی قادری**

ہلدوانی نینی تال اتراکھنڈ

واٹس ایپ نمبر۔ **+919917420179**

سن اشاعت۔ 2026

فہرست

تقریظ جلیل

بقلم مفتی **محمد جاوید اکبری** صاحب

دارالافتاء گلزار طیبہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

زیرِ نظر کتاب "اربعین صحیح مسلم" کے مطالعہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اس کے مصنف، محقق و ناقد الحدیث حضرت علامہ مولانا دانش حنفی صاحب دامت برکاتہم، نے نہایت گہرے علمی شعور، فقہی بصیرت اور عصری تقاضوں کے ادراک کے ساتھ اس مجموعہ کو مرتب فرمایا ہے۔ موصوف اہلِ علم میں اپنی سنجیدہ فکر، متوازن مزاج اور نوجوان نسل کے ساتھ گہری وابستگی کے سبب ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں جہاں ایک طرف اسلاف کی علمی وراثت کی جھلک نظر آتی ہے، وہیں دوسری جانب عصرِ حاضر کے فکری تقاضوں کا بھرپور لحاظ بھی ملتا ہے۔

کتاب میں منتخب کردہ احادیث اور ان سے متعلقہ مباحث پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محض ایک روایتی اربعین نہیں، بلکہ ایک جامع علمی و اصلاحی نصاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ احکامِ شرع انسان کے ظاہری حال پر جاری ہوتے ہیں" جیسے اصولی عنوانات سے لے کر، قسم، زکوٰۃ، ایمان، نیت اور دیگر اہم مسائل تک، ہر موضوع کو نہایت حکمت اور سلاست کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ بات نہایت قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہے کہ مصنف نے روایات پر وارد ہونے والے اشکالات کا بھی مدلل اور محققانہ * انداز میں جواب دیا ہے۔ آج کے دور میں بعض افراد احادیثِ مبارکہ پر مختلف شبہات وارد کرکے عوام کے اذہان کو منتشر کرتے ہیں، ایسے میں ان اشکالات کا علمی، سنجیدہ اور دلنشین انداز میں ازالہ کرنا ایک عظیم دینی خدمت ہے۔ اس پہلو سے یہ کتاب نہ صرف معلومات فراہم کرتی ہے بلکہ قاری کے دل میں احادیثِ نبویہ کی عظمت اور اعتماد کو بھی مضبوط بناتی ہے۔ مزید یہ کہ مصنف نے ان سوالات کو بھی

شاملِ بحث بنایا ہے جو آج کے دور میں ذہنوں کو مضطرب کرتے ہیں، جیسے قیامت کے وقت کا عدمِ تعین، بعض معاشرتی و اخلاقی مسائل، اور دیگر حساس موضوعات۔ اس سے کتاب کی افادیت اور عصری اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ بالخصوص نوجوانانِ امت، جو فکری انتشار اور شکوک و شبہات کی زد میں ہیں، ان کے لیے یہ کتاب ایک بہترین رہنما اور اصلاحی ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس میں پیش کردہ اسلوب نہ صرف علمی ہے بلکہ دلنشین اور مؤثر بھی، جو قاری کے دل و دماغ دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا دانش حنفی صاحب کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ان کے علم و عمل میں برکت نصیب کرے، اور اس کتاب کو امتِ مسلمہ کے لیے، خصوصاً نوجوان نسل کے لیے، ذریعۂ ہدایت و اصلاح بنائے۔

مفتی محمد جاوید اکبری
دار الافتاء گلزارِ طیبہ
نیمک نگر، کوڑا، سریندر نگر، گجرات

تقریظ جلیل

بقلم مفتی ابو رضا **خیر محمد** القادری صاحب

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔۔امّابعد!

اللہ تبارک و تعالیٰ کی لا متناہی حمد و ثنا ہے جس نے ہمیں دینِ متین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا اور درود و سلام ہو سرورِ کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدامی پر، جن کے اقوال و افعال رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ زیرِ نظر کتاب "اربعین صحیح مسلم" کو سر سری نظر سے پڑھنے کا موقع ملا۔ صاحبِ تصنیف مفتی دانش حنفی صاحب (زید مجدہم) نے جس عرق ریزی اور علمی بصیرت کے ساتھ امام مسلم بن حجاج قشیری کی " صحیح مسلم " سے ان جواہر پاروں کا انتخاب کیا ہے، وہ دورِ حاضر میں عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے ایک گراں قدر علمی اثاثہ ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ چیزیں نمایاں طور پر نظر آئیں کہ مصنف نے محض احادیث کا ترجمہ نہیں کیا، بلکہ عصرِ حاضر میں پیدا ہونے والے پیچیدہ سوالات اور فکری مغالطوں کا شافی جواب فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب میں شامل چند اہم مباحث مثلاً۔ قیامت کا وقت کیوں نہیں بتایا گیا؟ اور اللہ تعالیٰ کے آسمان پر ہونے کی تحقیق جیسے عنوانات عقیدے کی پختگی کے لیے نہایت اہم ہیں۔ کیا ہر صحابی نبی جنتی کہنا صحیح نہیں؟اور حضرت عمر نے ابو ہریرہ کے سینے پر ضرب کیوں لگائی؟ جیسے حساس موضوعات پر تحقیق کر کے مصنف نے منکرینِ حدیث اور بد گویانِ صحابہ کے فتنوں کا علمی تعاقب کیا ہے۔۔ زکوٰۃ کی منتقلی، عورتوں کے فقہی مسائل، اور بدعت و سنت کے فرق کو جس انداز سے واضح کیا گیا ہے، وہ مفتی صاحب کی فقاہت اور باریک بینی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مفتی دانش صاحب نے "اربعین" (چالیس احادیث) کی مبارک سنت کو زندہ کرتے ہوئے اسے جدید اسلوب اور تحقیقی رنگ دیا ہے، جو نہ صرف طلبہِ علومِ نبویہ کے لیے نافع ہے بلکہ عامۃ المسلمین کے لیے بھی ہدایت کا سر چشمہ ہے۔ بالخصوص "معمولاتِ اہلِ سنت" پر دلائل کی فراہمی نے

اس کتاب کی افادیت کو دوچند کر دیا ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت مفتی صاحب کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور امتِ مسلمہ کو اس علمی خوان سے مستفیض ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔

فقط

ابورضا خیر محمد القادری

خادمِ نائب دارالافتاء گلزار طیبہ وانکانیر گجرات

کلمات تشکر

اے میرے رب! سب تعریفیں صرف تیرے ہی لیے ہیں۔ تو ہی وہ ہے جس نے مجھ جیسے کمزور، عاجز اور ناکارہ بندے کو اپنے فضل و کرم سے یہ عظیم کام سونپا۔ میں حقیقت میں اس کے قابل نہ تھا۔ میری کمزوریاں، قلتِ علم اور ضعیفی تیرے سامنے ہیں۔ مگر تو نے اپنے کرم سے مجھے توفیق بخشی اور مجھ سے یہ کام لے لیا۔ یہ کتاب " اربعین صحیح مسلم ، مسائل ، فوائد اور اعتراضات کے جواب" تیرے ہی فضل کا نتیجہ ہے۔ اس میں جو خیر ہو وہ تیرا فضل ہے اور جو کمی ہو وہ میری ناقص فہم کا نتیجہ ہے۔ میں تیری بارگاہ میں معافی کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! اس کتاب کو مسلمانوں کے لیے نفع بخش بنا، قیامت کے دن اسے میرے لیے نور بنا دے اور پڑھنے والوں کے دلوں میں دین کی محبت بڑھا۔ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما۔

اے میرے پروردگار! خاص طور پر اپنے والدین کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے ماں باپ پر رحمت نازل فرما۔ ان کی محنت، قربانیوں اور دعاؤں کا بدلہ انہیں جنت میں دے۔ ان کے دل کو ٹھنڈک بخش، صحت و عافیت عطا کر اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے۔ مجھے بھی ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق دے۔ اے اللہ! یہ سب تیرا کرم اور احسان ہے۔ میں تجھے شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھ جیسے حقیر بندے کے ہاتھوں سے یہ کام لے لیا۔

وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آلہ واصحابہ وسلم

مصنف کا مختصر تعارف

الحمد للہ رب العالمین

یہ کتاب محقق و ناقد حدیث علامہ دانش حنفی کی کاوش ہے۔ مصنف نے پہلے بھی تحقیقی کتابیں تحریر کی ہیں، جن میں "مشہور موضوع روایات کا تحقیقی جائزہ، واقعات کربلا کی تحقیق و تردید اور فتاویٰ فیضان امام محمد شامل ہیں۔

اس مجموعے کا مقصد یہ ہے کہ صحیح مسلم کی منتخب احادیث سے عام مسلمانوں کے لیے مسائل، فوائد اور عملی احکام نکالے جائیں، اور ان پر وارد ہونے والے عام اعتراضات کے سادہ مگر درست جوابات دیے جائیں، کوشش کی گئی ہے کہ مواد سہل، عام فہم اور براہ راست حدیث کی روشنی میں ہو، تاکہ ہر قاری آسانی سے استفادہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور امت کے لیے نفع بخش بنائے۔۔

آمین۔

تمہید

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو ہمارے لیے کامل اسوہ قرار دیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

یعنی "یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں اسوہ حسنہ ہے،

نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ محض واقعات یا الفاظ کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک ایسا خزانہ ہیں جس میں احکام شرعیہ، اخلاقی اقدار، معاشرتی اصول، اور روحانی بصیرت کے ان گنت موتی چھپے ہوئے ہیں۔ ایک ہی حدیث سے فقہاء امت نے کئی کئی مسائل مستنبط کیے، بعض احادیث سے تو سینکڑوں فوائد اور احکام اخذ کیے گئے۔ مگر افسوس کہ عام طور پر جب کوئی حدیث بیان کی جاتی ہے تو توجہ صرف اس کے ظاہری متن، کسی خاص واقعہ، یا ایک دو احکام پر ہوتی ہے، جبکہ اس کی گہرائیوں میں غور و فکر اور استنباط کے وسیع امکانات پر کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔

اس کتاب میں فقیر نے صحیح مسلم کی چالیس احادیث کو منتخب کیا ہے، جو کے کتاب الایمان سے کتاب الحج تک ہیں، اور ہر حدیث کے ساتھ اس سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد اور اس حدیث پر وارد ہونے والے اعتراضات و اشکالات کے مختصر طور پر جواب دیے ہیں،۔ ہر حدیث سے متعدد مسائل نکالے گئے، کسی حدیث سے زیادہ تو کسی حدیث سے کم مسائل کا استنباط کیا ہے جبکہ آخری چالیسویں حدیث سے پانچ مسائل، تاکہ مجموعی طور پر چالیس حدیثوں کا ہدف پورا ہو سکے۔ اس کتاب میں جو مسائل فوائد اخذ کیے گئے ہیں وہ میرے محدود علم اور غور و فکر کا نتیجہ ہے،

ورنہ ہر حدیث میں مزید باریکیاں اور نکات موجود ہیں جس کو اہل بصیرت مزید تفصیل سے نکل سکتے ہیں۔ اس مجموعے کا بنیادی مقصد قاری محترم کو دعوت دینا ہے کہ وہ احادیث پر محض سماعت یا روایت تک اکتفانہ کرے، بلکہ ان میں گہرائی سے غور و فکر کرے۔ ایک ایک حدیث میں سینکڑوں مسائل، فوائد، اور حکمتوں کا ذخیرہ پوشیدہ ہوتا ہے، مگر ہماری توجہ اکثر کسی ایک جزیا واقعہ تک محدود رہ جاتی ہے۔ یہ کتاب حدیث بیان کرنے والوں، سننے والوں، اور طالب علم کے لیے ایک یاد دہانی ہے کہ سنت نبوی ﷺ کی وسعت اور جامعیت کو سمجھنے کے لیے مسلسل تفقہ، تدبر، اور استنباط کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے ایک حدیث سے متعدد احکام نکال کر امت کی رہنمائی کی، اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ ہم احادیث کو سطحی طور پر نہ گزاریں بلکہ ان کی گہرائیوں میں اتر کر فائدہ اٹھائیں۔ مثلاً اس کتاب کی آخری حدیث صحیح مسلم، حدیث نمبر 3396 میں مسجد قباء کی ہفتہ وار زیارت کا ذکر ہے، جس سے نفلی عبادت یا نیک کام کے لیے دنوں کو خاص و متعین کر لینے کی اجازت واضح ہوتی ہے جیسے ہر ہفتے قباء جانا، البتہ وہ مخصوص اوقات جن میں نبی کریم ﷺ نے ممانعت فرمائی جیسے جمعہ کا دن روزہ رکھنے یا شب جمعہ کو قیام کی تخصیص، مشکوٰۃ المصابیح حدیث 2052) ان سے مستثنیٰ ہیں۔

اسی اصول کی روشنی میں ایصال ثواب کے لیے تیجہ، دسواں، بیسواں یا چالیسواں جیسے دن متعین کرتے ہیں، بشرطیکہ انہیں شرعاً لازم نہ سمجھا جائے اور کوئی بدعت شامل نہ ہو۔ یہ چھوٹا سا مجموعہ طالب علم، عام مسلمانوں، اور اہل دل کے لیے ایک تحفہ ہے کہ وہ صحیح مسلم کی ان احادیث سے استفادہ کریں، سنت پر غور و فکر کریں، اور اپنی زندگی کو اس کی روشنی میں ڈھالیں, اس کتاب میں احادیث سے براہ راست مسائل اور فوائد اخذ کیے گئے ہیں تاکہ عام قاری بغیر کسی دوسری کتاب کے حوالے کے استفادہ کر سکے۔

گہری اصولی بحثیں اور متعدد کتب کے اقوال جان بوجھ کر شامل نہیں کیے

گئے تا کہ کتاب سادہ اور عام فہم رہے۔
اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، ہمیں احادیث میں تدبر کی توفیق دے، اور آخرت میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین

(ایک حدیث سے فقہاء نے سینکڑوں مسائل اخذ کیے)

ایک حدیث سے متعدد بعض اوقات پچاس، سو یا اس سے بھی زیادہ مسائل اخذ کرنے کی مثالیں اسلامی فقہ میں بہت مشہور ہیں۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے احادیث کی گہرائیوں میں غور و فکر کر کے ایک ہی متن سے کئی جہتوں سے احکام، آداب، اصول اور فوائد نکالے ہیں۔ حدیث محض ایک واقعہ نہیں بلکہ جامع کلام ہے جس میں سینکڑوں نکات چھپے ہوتے ہیں۔ یہاں چند مشہور مثالیں ہیں جو اکثر فقہاء ذکر کرتے ہیں۔ یہ مثالیں فقہی کتب، اصولِ فقہ کی کتابوں اور محدثین کے شروحات میں مذکور ہیں:

حدیث:إنما الأعمال بالنيات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)

اس حدیث سے فقہاء نے سینکڑوں مسائل نکالے ہیں، مثلاً: نیت کی اہمیت؛ عبادات میں نیت فرض ہے ریاکاری کی حرمت ہجرت، جہاد، صدقہ، روزہ، حج وغیرہ میں نیت کی شرائط دنیاوی اعمال جیسے تجارت اور شادی میں نیت کی بنیاد پر ثواب یا گناہ نیت کی تبدیلی سے عمل کی تبدیلی (مثلاً اگر نیت بدل جائے تو عمل بدل جاتا ہے) قضاء روزوں، کفارہ، قسم وغیرہ میں نیت کی حیثیت فقہ حنفی، شافعی وغیرہ میں اس سے متعلق کئی ابواب (طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم وغیرہ) متاثر ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسلام کا ایک تہائی ہے کیونکہ اعمال کی قبولیت نیت پر منحصر ہے۔

حدیث: لا ضرر ولا ضرار (نہ ضرر پہنچاؤ اور نہ ضرر اٹھاؤ)

یہ ایک مختصر سی حدیث ہے مگر اس سے سینکڑوں فقہی مسائل مستنبط کیے گئے ہیں۔ فقہاء حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی سب نے اسے قاعدہ کلیہ قرار دیا ہے۔ چند مثالیں: پڑوسی کو نقصان پہنچانے والی تعمیر (جیسے کھڑکی کھولنا، نالی نکالنا، درخت لگانا) ممنوع تجارت میں غبن، دھوکہ، ملاوٹ حرام

شریکوں کے درمیان ضرر رساں تصرفات جیسے مشترکہ جائیداد میں نقصان دہ تبدیلی ماحولیاتی مسائل جیسے پانی روکنا، دھواں، شور وغیرہ، طبی مسائل: دوا سے نقصان، علاج میں غلطی، خاندانی مسائل: طلاق، نفقہ، حضانت میں ضرر نہ پہنچانا، معاشی مسائل: مہنگائی، احتکار، سود، پتنگ بازی، شور مچانا، جانوروں کو تکلیف دینا وغیرہ، فقہ کی تقریباً تمام کتابوں (معاملات، احکام، حدود) میں اس قاعدے کا حوالہ ملتا ہے۔ حدیث: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)

اس سے اخذ کردہ مسائل: غیبت، چغلی، لعن طعن، بدزبانی کی حرمت جسمانی ایذاء: مارنا، دھکا دینا مالی نقصان: چوری، دھوکہ، معاشرتی مسائل: پڑوسیوں، رشتہ داروں کے حقوق، جہاد کے آداب: غیر مسلحوں کو نقصان نہ پہنچانا یہ حدیث بھی قاعدہ کلیہ ہے اور متعدد ابواب میں استعمال ہوتی ہے۔

حدیث: الدین النصیحة

(دین نصیحت ہے) اس سے نصیحت کے احکام، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مشورہ، خلوص وغیرہ کے کئی مسائل نکلتے ہیں۔ اسی طرح دیگر مشہور احادیث جیسے: حدیث رفع القلم (تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا: سورہا، پاگل، بچہ) بلوغت، عقل، نوم کے احکام، ذمہ داری، معافیت وغیرہ کے مسائل۔

حدیث: لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب نماز میں قراءت، امام کے پیچھے قراءت، مقتدی کے احکام وغیرہ۔

یہ مثالیں دکھاتی ہیں کہ ایک حدیث محض ایک حکم نہیں بلکہ جامع اصول ہے جس سے فقہاء نے مختلف شعبوں (عبادات، معاملات، آداب، اخلاق) میں مسائل نکالے ہیں۔ فقہ حنفی میں تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں نے ایک حدیث سے کئی کئی احکام مستنبط کیے ہیں۔

اسی طرح صحیح مسلم کی اس مشہور حدیث سے (جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعے کی):

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر مغیث کو دیکھ رہا تھا جو ان کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے چل رہے تھے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو رہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عباس! کیا تمہیں مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر حیرت نہیں ہوئی؟" پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کاش تم اس کے بارے میں اپنا فیصلہ بدل دیتیں۔ انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! کیا آپ مجھے اس کا حکم فرمارہے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں۔" انہوں نے کہا کہ مجھے مغیث کے پاس رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ اس ایک روایت سے ہمارے فقہاء نے متعدد مسائل اخذ کیے ہیں۔ علامہ سعیدی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس سے 162 مسائل اخذ کیے ہیں۔ بعض علماء نے اس ایک روایت پر پوری کتابیں تحریر کر دی ہیں۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علماء نے اس ایک روایت سے 400 مسائل اخذ کیے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث پر غور و فکر کیسے گہرے نتائج دیتا ہے۔

اللہ کریم ہمیں قرآن و حدیث پر غور و فکر اور تدبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
آمین

قیامت کب آئے گی آپ علیہ السلام نے وقت کیوں نہیں بتایا؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھ سے پوچھو۔ یعنی دین کی ضروری باتیں پوچھ لو۔ البتہ بے ضرورت سوالات پوچھنا منع ہے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب کی وجہ سے پوچھنے سے ڈر گیا، تو ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔ اس نے کہا: سچ فرمایا آپ نے۔ پھر اس نے کہا: یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔ اس نے کہا: سچ فرمایا آپ نے۔ پھر اس نے کہا: یارسول اللہ! احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: سچ فرمایا آپ نے پھر اس نے کہا: یارسول اللہ! قیامت کب قائم ہو گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس سے تم پوچھ رہے ہو، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں تمہیں اس کی نشانیاں بتاتا ہوں: جب تم دیکھو کہ لونڈی (یا عورت) اپنے مالک آقا کو جنے دے رہی ہے، تو یہ قیامت کی نشانی ہے۔ اور جب تم دیکھو کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، مفلس اور احمق لوگ زمین کے بادشاہ بن جائیں، تو یہ قیامت کی نشانی ہے۔ اور جب تم دیکھو کہ بکریاں چرانے والے غریب چرواہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنے میں فخر کرنے لگیں، تو یہ قیامت کی نشانی ہے۔ قیامت غیب کی پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

ترجمہ: اللہ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے، اور وہی بارش نازل کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے، اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی، اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین پر مرے گی۔ بیشک اللہ خوب جاننے والا، خبر دار ہے -

پھر وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے میرے پاس واپس بلاؤ، لوگوں نے تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے چاہا کہ تمہیں دین کا علم ہو جائے جب تم نے خود نہیں پوچھا - صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث 99

روایت مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل و فوائد

1-اس روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ سے پوچھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم اور مفتی کے لیے لوگوں سے یہ کہنا جائز ہے کہ "مجھ سے سوالات پوچھو.

2-صحابہ کرام خوف کی وجہ سے سوال نہ کر سکے، یعنی نبی ﷺ کا رعب ان پر چھایا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب عالم یا مفتی جلال اور غصے کی حالت میں ہو تو اس وقت سوالات نہ پوچھے جائیں۔ اسی لیے آدابِ افتاء میں ہے کہ جب مفتی کے اخلاق میں تغیر ہو، غصہ ہو، شدید بھوک ہو، دل کہیں اور لگا ہوا ہو یا کوئی ایسی صورتحال ہو جس میں غور و فکر ممکن نہ ہو تو اس وقت سوالات نہ پوچھے جائیں۔

3-سائل گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم کے سامنے ادب اور تعظیم کے ساتھ گھٹنوں کے بل بیٹھنا چاہیے۔

4اس نے اسلام کے بارے میں پوچھا تو اسلام ایک الگ چیز ہے۔

5-اس نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو ایمان ایک الگ چیز ہے۔
6-اسلام یہ ہے کہ احکامِ شرع کو اعضاء سے ادا کیا جائے، جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ۔
7-ایمان یہ ہے کہ ضروریاتِ دین کی دل سے تصدیق کی جائے۔
8-جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا بھی منکر ہو جائے، وہ کافر ہے۔
9-جو شخص نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ ادا نہیں کرتا، وہ ایمان والا تو ہے (اگر دل سے تصدیق کرتا ہے) لیکن اس کے عمل سے اسلام ظاہر نہیں ہوتا۔ یعنی اسلام اللہ کے احکام کو عملی طور پر ادا کرنے کا نام ہے، جبکہ ایمان ضروریاتِ دین کی قلبی تصدیق کا نام ہے۔
10-احسان یہ ہے کہ تم اللہ کو دیکھتے ہوئے اس کی عبادت کرو، یا اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اصل مقصد اللہ سے ڈرتے رہنا اور اس کا احساس ہونا ہے۔
11-جب قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھا گیا تو نبی ﷺ نے جواب نہ دیا۔ اگر عالم یا مفتی کو معلوم ہو کہ کسی سوال کا جواب دینا ضروری نہیں یا مصلحت کے خلاف ہے تو وہ اس کا جواب نہ دے۔ نبی ﷺ نے اس لیے وقت نہ بتایا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت اچانک قائم ہو گی۔ اگر نبی ﷺ وقت بتا دیتے تو قرآن کی تکذیب ہوتی، کیونکہ آپ ﷺ قرآن کے مصدق ہیں، مکذب نہیں۔
12-قیامت قائم ہونے سے پہلے اس کی نشانیاں ظاہر ہوں گی، پھر قیامت قائم ہو گی۔
13-نہ اہل کو ملک کا بادشاہ نہیں بنانا چاہیے۔
14-قیامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے: بارش کب ہو گی، ماں کے پیٹ میں کیا ہے، کل کیا کرے گا اور کہاں مرے گا یہ سب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو عطا فرمائے تو وہ جان لیتا ہے۔

15- جب سائل کو جواب مل جائے تو وہ چلا جائے، بلا ضرورت مفتی یا عالم کا وقت ضائع نہ کرے۔

16- نبی ﷺ نے فرمایا: "اسے بلاؤ"۔ یعنی اگر سوال کا جواب دے کر کوئی چلا جائے اور بعد میں مفتی یا عالم کو یاد آئے کہ کوئی جواب رہ گیا تھا تو وہ اسے دوبارہ بلا سکتا ہے۔

17- نبی ﷺ نے فرمایا: یہ جبرائیل تھے اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں اور فرشتوں کو پہچانتے ہیں۔

18- انہوں نے چاہا کہ لوگوں کو علم ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے سوال کرے کہ دوسروں کو بھی علم ہو جائے تو اس کا سوال کرنا جائز ہے۔

19- اگر عالم یا مفتی کو معلوم ہو کہ یہ سوال دوسروں کو بتانے کے لیے پوچھا جا رہا ہے تو اسے جھڑکنا یا طنز و ملامت نہیں کرنی چاہیے، بلکہ جواب دینا چاہیے۔

20- جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں آتے جاتے تھے۔ اللہ نے انہیں یہ طاقت دی تھی کہ وہ انسانی شکل اختیار کر لیں، سوالات کریں اور نبی ﷺ انہیں پہچان لیتے تھے۔

21- اس سے معلوم ہوا کہ نوری مخلوق کا بشر ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ وہ نور نہ ہو۔

22- اسی طرح ہمارے نبی ﷺ نور ہونے کے ساتھ ساتھ بشر بھی ہیں، لیکن آپ ﷺ کا بشر ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ آپ نور نہ ہوں۔ آپ نوری بشر ہیں۔

23- نوری مخلوق کو انسان ان کی اصل حالت میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسی لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں آیا کرتے تھے۔

24- یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بھی انسانی شکل و صورت میں صحابہ کے درمیان موجود تھے۔ اگر آپ ﷺ اپنی اصل نوری حالت میں ہوتے تو صحابہ آپ کو

دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔ اس لیے لازم تھا کہ آپ بشر بن کر آئیں، کھائیں، پیئیں اور تمام بشری معاملات انجام دیں تاکہ لوگ آپ سے مانوس ہو سکیں اور آپ کے افعال دیکھ سکیں۔ کیونکہ انسان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ نور پر اپنی نظر جما سکے، جیسے سورج کی طرف مسلسل دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں تو نبی علیہ السلام نے کیوں کھائی؟

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نجد والوں میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ وہ بولا: ان کے سوا میرے اوپر اور کوئی نماز ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، الا یہ کہ تو نفل پڑھنا چاہے۔ اور رمضان کے روزے ہیں۔ وہ بولا: رمضان کے سوا میرے اوپر اور کوئی روزہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، الا یہ کہ نفل روزہ رکھنا چاہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زکوٰۃ کا بیان کیا۔

وہ بولا: اس کے سوا میرے اوپر اور کوئی چیز ہے؟ فرمایا: نہیں، الا یہ کہ تو نفل ثواب کے لیے صدقہ دینا چاہے۔

راوی نے کہا: پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا اور کہتا جاتا تھا: اللہ کی قسم! میں نہ ان میں زیادہ کروں گا نہ ان میں کمی کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاح پائی اس نے اگر سچا ہے۔

ایک روایت میں ہے: اس کے باپ کی قسم! یہ جنت میں داخل ہو گا اگر سچا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان حدیث100)

مذکورہ روایت سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- دن اور رات میں صرف پانچ نمازیں فرض ہیں۔

2- پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے تہجد کی نماز خارج ہو گئی کہ امت کے حق میں تہجد فرض نہیں۔

3- نفل نماز پڑھنا لازم نہیں، چاہے تو پڑھے یا نہ پڑھے۔

4- رمضان کے روزے فرض ہیں۔

5- رمضان کے علاوہ روزے فرض نہیں، عاشورہ کا روزہ بھی فرض نہیں۔

6- نفل روزے رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے، چاہے تو رکھے یا نہ رکھے۔

7- اگر کوئی صاحبِ نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

8- زکوٰۃ کے علاوہ مسلمان کے مال میں کوئی حق فرض نہیں۔

9- نفلی صدقہ کرنے کا اختیار ہے اور اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔

10- اس روایت میں یہ بھی ہے: اس کے باپ کی قسم! اگر یہ سچا ہے تو مراد کو پہنچا۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا تو جائز نہیں، تو آپ علیہ السلام نے کیوں کھائی؟

11- تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قسم ارادہ اور قصد کے ساتھ نہیں کھائی گئی بلکہ اہل عرب کے کلام کے عرف و عادات کے مطابق بلا قصد ان کے کلام سے قسم کے الفاظ نکل جاتے تھے۔ قسم قصد کے ساتھ جو کھائی جائے وہ ناجائز ہے، اور یہاں بلا قصد قسم کھانا ہے۔ یعنی بندے کو اللہ کی تعظیم کے مقابل لے کر قسم کھانا ناجائز ہے یا یہ کہ یہ قسم غیر اللہ کی قسم کی ممانعت سے پہلے کی ہے۔

12- اس روایت پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اس میں وتر کے واجب ہونے کا ذکر

نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وتر واجب نہیں ہے؟

13 اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں اس شخص نے فرض نماز کے بارے میں پوچھا تھا نہ کہ واجب نماز کے بارے میں، جبکہ وتر فرض نہیں بلکہ واجب ہیں۔ اور اسی فرض پر یہ کہا کہ ان میں اس میں کمی کروں گا نہ زیادتی۔ یہ لازم نہیں آتا کہ وتر واجب ہی نہ ہوں۔ وتر واجب ہیں اور دوسری روایات میں وتر کو ادا نہ کرنے پر قضا کا حکم دیا گیا ہے، اور قضا فرض یا واجب پر ہوتی ہے نہ کہ نفل پر۔ نیز اس روایت میں حج و جہاد کے فرض ہونے کا بھی ذکر نہیں ہے، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ حج و جہاد فرض ہی نہ ہوں بلکہ وہ فرض ہیں مگر اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح وتر واجب ہیں مگر اس کا ذکر نہیں ہوا۔

حدیث میں تغیر کرنا جائز نہیں

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے یعنی پانچ ستونوں پر اسلام کھڑا ہے (یہ تشبیہ ہے اسلام کو ایک گھر کی مانند سمجھو یا چھت جس میں پانچ کھمبے ہوں) اللہ جل جلالہ کی توحید، نماز کو قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، حج کرنا"۔ ایک شخص بولا: حج اور رمضان کے روزے (یعنی حج کو پہلے کیا اور روزوں کو بعد)۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: رمضان کے روزے اور حج۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی سنا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان مسلم حدیث 111)

مذکورہ حدیث سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1 - ارکانِ اسلام پانچ ہیں

2 - جو کوئی ان ارکانوں کا منکر ہو وہ کافر ہے۔

3 - جو کوئی ان ارکانوں کی تصدیق کرے وہ مومن ہے۔

4-اس شخص نے حج کو مقدم کر دیا، روزوں کو بعد میں ذکر کیا۔ اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا: نہیں، روزے پھر حج۔ میں نے نبی علیہ السلام سے ایسا ہی سنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں تغیر کرنا جائز نہیں ہے۔ جس طرح حدیث ہو اسی طرح بیان کرنی چاہیے کہ روایت میں تغیر کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے حضرت ابن عمر نے اس شخص کو ٹوکا۔

5-اس سے صحابہ کی عدالت و دیانت داری کا پتہ چلتا ہے کہ جیسا انہوں نے نبی علیہ السلام سے سنا، بلا تغیر کیے اس کو بیان کر کے ہم تک پہنچایا اور کسی نے تغیر کیا تو اس کو تغیر کرنے سے روک دیا۔

6-اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوا کہ ہمیں حدیث بیان کرنے میں جری نہیں ہونا چاہیے بلکہ احتیاط کرنا چاہیے کہ جو بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا ناجائز ہے اور اس کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ اس سے ان خطیب حضرات کو سبق لینا چاہیے جو بغیر تحقیق کے جو منہ میں آیا بک کر چلے جاتے ہیں۔ ان سے حوالہ مانگا جائے تو کہتے ہیں ہم نے یوٹیوب پر سنا ہے۔ ایک خطیب صاحب سے فقیر قادری نے حوالہ طلب کیا تو جواب میں کہا: ہم نے یوٹیوب پر سنا ہے۔ اسی طرح ایک مولانا نے ایک روایت بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیان کی اور اپنی ویڈیو بنوائی۔ جب میں نے حوالہ طلب کروایا تو کہا: یوٹیوب پر سنی تھی کسی خطیب صاحب سے۔ خیر اس پر لکھنے کو تو بہت کچھ ہے، اگر اس پر لکھنا شروع کریں تو موضوع سے ہٹ جائیں گے اور گفتگو طویل ہو جائے گی۔ الحمد للہ مشہور موضوع "روایات کا تحقیقی جائزہ" فقیر کی کتاب کو علماء و عوام نے بہت سراہا اور ابھی بھی مطالبہ ہے اس پر مزید کام کیا جائے مگر مصروفیات نے گھیر رکھا۔ موضوع روایات کا حصہ دوم یا پھر کوئی موضوع روایات پر مستقل کتاب مرتب کرتا اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ان شاء اللہ موضوع روایات کو قلم بند کروں گا اور اس میں ان شاء اللہ سیر حاصل گفتگو

کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حق بولنے، حق لکھنے، حق پر عمل کرنے اور باطل کارد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

7- اگر ہمارے سامنے کوئی ایسی روایت بیان کرے جو موضوع ہو یا پھر روایت میں تغیر سے کام لے رہا ہو تو اس کو ہمیں روکنا چاہیے۔

8- اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے صحیح مسلم کی اس روایت کے نیچے والی روایت یعنی حدیث 112 میں پہلے حج کو مقدم کیا ہے اور بعد میں روزوں کو۔ حدیث یہ رہی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس پر کہ اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا ہر کسی کی عبادت سے انکار کیا جائے، نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، بیت اللہ کا حج کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے پر۔

9- تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے حضرت ابن عمر کو یہ یاد نہ رہا ہو یا پھر آپ نے اس روایت کو نبی علیہ السلام سے دو مرتبہ سنا ہو؛ ایک مرتبہ پہلی ترتیب کے موافق اور دوسری مرتبہ دوسری ترتیب کے مطابق۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک شہر سے دوسرے شہر زکاۃ بھیجنا مکروہ ہے

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا "تم ملو گے لوگوں سے اہل کتاب کے تو تم بلانا ان کو اس بات کی گواہی کی طرف کہ کوئی معبود برحق نہیں سوا اللہ کے اور میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ اس کو مان لیں تو بتلانا ان کو کہ اللہ نے ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو یہ بات بتلانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی پھر انہی کے فقیروں اور محتاجوں کو

دی جائے گی۔ اگر وہ اس بات کو مان لیں تو خبر دار نہ لینا عمدہ مال ان کے (یعنی زکوٰۃ میں متوسط مال لینا اور مظلوم کی بد دعاء سے بچنا کیونکہ مظلوم کی بد دعاء اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں۔

(کتاب الایمان صحیح مسلم حدیث 121)

حدیث مذکورہ سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1- امام جس کو چاہے حاکم بنا کر جہاں چاہے بھیج سکتا ہے۔

2- جس کو حاکم بنا کر کہیں بھیجا جائے تو وہ انکار نہ کرے مگر یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔،

3- بھیجنے سے پہلے امام حاکم کو نصیحت کرے،

4- تبلیغ کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک جانا جائز ہے،

5- اہل کتاب سے مراد عیسائی اور یہودی ہیں جو یمن میں آباد تھے،

6- غیر مسلموں کو جب تبلیغ کی جائے تو سب سے پہلے توحید ورسالت کے بارے میں بتایا جائے۔

7- اگر وہ مان جائیں ایمان لے آئیں تو پھر ان کو باقی احکامات کی تعلیم دی جاتی رہے۔

8- توحید ورسالت کے اقرار تصدیق کے بعد بندہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے،

9- توحید ورسالت کی تصدیق سے پہلے کافر پر احکامات شرعیہ کا نفاذ نہیں ہوتا۔

10- ہر دن رات میں پانچ نماز فرض ہیں،

11- امت پر تہجد فرض نہیں،

12- زکوۃ مالدار صاحب نصاب پر فرض ہے،

13- مالداروں سے زکوۃ لیکر فقیروں کو دی جائے گی،

14- مالداروں سے زکوۃ لیکر مالداروں کو زکوۃ دینا جائز نہیں،

15- انہی کے فقیروں کو دی جائے گی سے مراد جو مسلمان فقیر محتاج ہیں چاہے وہ۔

اس شہر کے ہوں یا پھر کسی دوسرے شہر کے ہوں ان کو بھی زکوۃ دینا جائز ہے۔
16- ایک شہر سے دوسرے شہر زکوۃ بھیجنا مکروہ ہے ہاں اگر دوسرے شہر میں ضرورت ہو تو کراہت نہیں،
17- کافر کو زکوۃ دینا ناجائز ہے،
18- عامل کو جب زکوۃ کے لیے مقرر کیا جائے تو وہ عمدہ اور اچھا مال نہ لے یعنی یہ نہ کہے اچھا اور عمدہ مال دو بلکہ متوسط درمیان والا مال لے،
19- اسی طرح مالدار جب زکوۃ دے تو خراب مال دینا جائز نہیں،
20- حاکم ظلم نہ کرے اور مظلوم کی بد دعا سے بچے،
21- مظلوم کی بد دُعاء اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں

احکامِ شرع انسان کے ظاہری حال کے موافق جاری ہوتے ہیں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو عرب کے کچھ لوگ جو کافر تھے وہ مرتد ہوگئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں میں سے کچھ نے زکوٰۃ روک لی۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: 'مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ پھر جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے مجھ سے اپنی جان اور مال بچا لیا، سوائے حق کے بدلے کے (یعنی اگر کوئی جرم کرے جیسے قتل یا زنا تو اس کی سزا دی جائے گی)۔ پھر اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (یعنی اگر دل میں کفر ہو اور ظاہر میں ڈر کے مارے اسلام قبول کر لے تو دنیا میں اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا، قیامت میں اللہ اس سے پوچھ لے گا۔ دنیا کا معاملہ ظاہر پر ہے۔) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس شخص سے

لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ ایک عقال بھی روک لیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس کے نہ دینے پر بھی ان سے لڑوں گا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! پھر کچھ نہ تھا مگر یہ کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ جل جلالہ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ (حق کی طرف) کھول دیا ہے (یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈال دی)۔ تب میں نے جان لیا کہ حق یہی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان حدیث نمبر 124)

حدیث مذکورہ سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انکارِ زکوٰۃ کی وجہ سے لوگ مرتد (کافر) ہو گئے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی۔

2- کفار و مشرکین سے جہاد کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

3- جو شخص ایمان لے آئے اس کی جان و مال محفوظ ہو جاتی ہے، اس سے جنگ جائز نہیں۔

4- اگر کسی نے قتل کیا، زنا کیا یا ہاتھ کاٹا تو بدلے میں اس کی سزا دی جائے گی (جیسے قصاص، حد وغیرہ)۔

5- اگر یہ جرم پوشیدہ رہے اور کسی کو علم نہ ہو، صرف اللہ کو معلوم ہو تو قیامت میں اس کا حساب ہو گا۔

6- اگر کوئی ظاہری طور پر مسلمان ہو جائے مگر دل میں کفر رکھتا ہو اور اس کے قول و فعل سے کفر ظاہر نہ ہو تو وہ دنیا میں مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔

احکامِ شرع ظاہر پر جاری ہوتے ہیں اور دل کا کفر اللہ قیامت میں دیکھ لے گا۔

7- جو لوگ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائیں اور احکامِ خدا کا انکار کریں تو ان سے جہاد کیا جائے گا۔

8- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اختلاف رائے ظاہر کی، دو مجتہدوں میں جب

اختلاف ہو تو آپس میں علمی بحث کرنا جائز ہے۔
9- کوئی نیا مسئلہ پیش آئے تو مجتہدین میں اختلاف ہو سکتا ہے، دلائل کی بنیاد پر، جیسا کہ اس حدیث میں حضرت عمر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوا۔
10- مجتہدین میں اختلاف ہو اور علمی بحث کے بعد حق جس طرف واضح ہو جائے تو دوسرے مجتہد کو اس کی طرف رجوع کر لینا چاہیے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔
11- اس روایت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علمی جلالت، بہادری اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ نئے مسئلے پر فیصلہ کیا اور منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کی۔ اس پر ان کی فضیلت اور امت میں سب سے افضل ہونے پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔
12- اس میں عموم سے استدلال کی دلیل ہے کہ آپ نے زکوٰۃ کو مال کا حق قرار دیا۔
13- جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے (یعنی ان میں سے کسی کا انکار کرے) تو اس سے جنگ جائز ہے۔
14- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنا ان کی اللہ کی طرف سے توفیق کی علامت ہے۔
15- احکامِ اسلام جاری کرنے کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے، یعنی احکام ایمان والوں پر جاری ہوتے ہیں۔
16- اگر کوئی کافر ہے یا مرتد ہو جائے تو اس پر اسلامی احکام جاری نہیں ہوتے (بلکہ اس کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے)۔
17- اس میں جہاد کے وجوب پر دلیل ہے۔
18- احکامِ شرع انسان کے ظاہری حال کے موافق جاری ہوتے ہیں، دل کے حال کا مالک اللہ ہے۔
19- اس میں قیاس سے استدلال کرنے اور قیاس پر عمل کرنے کی دلیل ہے۔۔

20-فروعی مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہو تو انہیں ایک دوسرے کو برا نہیں کہنا چاہیے، جیسا کہ اس روایت میں نہ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو غلط کہا اور نہ ہی حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو۔

21-اگر مجتہدین میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف ہو تو اجماع منعقد نہیں ہوتا۔

22-حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ ایک عقال بھی نہ دیں تو لڑوں گا۔(عقال سے مراد یا تو سالانہ زکوٰۃ ہے یا اونٹ کی زکوٰۃ میں جو رسی گلے میں ہوتی ہے، وہ بھی دینی ہو گی یا رسی کے کام کی چیز کی زکوٰۃ)۔

23-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور صحابہ کا اس پر اجماع تھا۔

24-باغیوں سے جنگ کرنا واجب ہے۔

25-زکوٰۃ اور نماز دونوں فرض ہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ضرب لگائی

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور آدمیوں میں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور باہر تشریف لے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس آنے میں دیر لگائی تو ہم کو ڈر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو اکیلا پا کر کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے ہم گھبرا گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے میں گھبرایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے کے لئے نکلا اور بنی نجار کے باغ کے پاس پہنچا اس کے چاروں طرف دروازہ کو دیکھتا ہوا پھرا کہ دروازہ پاؤں تو اندر جاؤں (کیونکہ گمان ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اندر تشریف لے گئے ہوں) دروازہ ملا ہی نہیں (شاید اس باغ میں دروازہ ہی نہ ہو گا یا اگر ہو گا تو ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ کو گھبراہٹ میں نظر نہ آیا ہو گا) دیکھا کہ باہر کنویں سے ایک نالی باغ کے اندر جاتی ہے میں لومڑی کی طرح سمٹ کر اس نالی کے اندر گھسا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابوہریرہ، میں نے عرض کی جی ہاں یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا حال ہے تمہارا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہم لوگوں میں تشریف رکھتے تھے۔ پھر آپ تشریف لے گئے اور آپ نے آنے میں دیر لگائی تو ہم کو ڈر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو ہم سے جدا دیکھ کر نہ ستائیں۔ ہم گھبرا گئے اور سب سے پہلے میں گھبرا کر اٹھا اور اس باغ کے پاس آیا دروازہ نہ ملا تو اس طرح سمٹ کر گھس آیا جیسے لومڑی اپنے بدن کو سمیٹ کر گھس جاتی ہے اور سب لوگ میرے پیچھے آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! اور پھر آپ نے مجھ کو اپنے جوتے عطا فرمائیں (نشانی کے لئے تاکہ اور لوگ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات کو سچ سمجھیں) اور فرمایا: ”میرے دونوں جوتے لے کر جاؤ اور جو کوئی تجھے اس باغ کے پیچھے ملے اور وہ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اس بات پر دل سے یقین رکھتا ہو تو اس کو یہ سنا کر خوش کر دے کہ اس کے لیے جنت ہے۔(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جوتے لے کر چلا) تو سب سے پہلے میں عمر رضی اللہ عنہ سے ملا۔ انہوں نے پوچھا: اے ابوہریرہ! یہ جوتے کیسے ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دے کر مجھ کو بھیجا ہے کہ میں جس سے ملوں اور وہ گواہی دیتا ہو لا الہ الا اللہ کی، دل سے یقین کر کے تو اس کو جنت کی خوشخبری دوں۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ میری چھاتی کے بیچ میں مارا تو میں سرین کے بل گرا۔ پھر کہا: اے ابوہریرہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ جا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ کر چلا گیا اور رونے والا ہی تھا کہ میرے ساتھ پیچھے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی آپہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابوہریرہ!

تجھے کیا ہوا۔" میں نے کہا: میں عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور جو پیغام آپ نے مجھے دے کر بھیجا تھا پہنچایا۔ انہوں نے میری چھاتی کے بیچ میں ایسا مارا کہ میں سرین کے بل گر پڑا اور کہا لوٹ جا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے ایسا کیوں کیا؟" انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ ابوہریرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص ملے اور وہ گواہی دیتا ہو لا الہ الا اللہ کی دل سے یقین رکھ کر تو خوشخبری دو اس کو جنت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں ایسا نہ کیجئیے کیونکہ میں ڈرتا ہوں، لوگ اس پر تکیہ کر بیٹھیں گے ان کو عمل کرنے دیجئیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا ان کو عمل کرنے دو۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 147)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- نبی علیہ السلام صحابہ کے درمیان تشریف فرماتھے اس سے معلوم ہوا عالم کو علم سکھانے کے لیے عوام کے درمیان بیٹھنا جائز ہے،

2-اگر عالم مفتی کہیں چلے جائیں اور ان کو وقت گزر جائے تو عوام کو چاہیے ان کو تلاش کرے تاکہ ان سے اپنے مسائل کی راہنمائی حاصل کر سکیں،

3-اگر کسی کے گھر مکان کے مالک کی ناراضی کا خوف نہ ہو اور کوئی شرعی مانع نہ ہو تو اس مکان میں عند الضرورت اضطراری حالت میں بغیر اجازت کے داخل ہونا جائز ہے،

4-ابوہریرہ نبی علیہ السلام کو تلاش کرتے ہوئے باغ میں آئے حضرت ابوہریرہ نے نبی علیہ السلام کی خوشبو کو سونگ لیا تھا جس وجہ سے ان کو معلوم ہو گیا کہ آپ علیہ السلام باغ میں ہیں اس سے پتا چلا ہمارے نبی پاک کے اندر سے خوشبو آتی تھی،

5- باغ میں درخت پھول وغیرہ ہونے کے باوجود ابوہریرہ نے آپ کی خوشبو کو سونگ لیا اس سے پتا چلا ہمارے نبی کی خوشبو پیڑ پھول وغیرہ پر غالب ہے ان کی خوشبو آپ

علیہ السلام کی خوشبو پر غالب نہ آسکی،
6-لومڑی جس طرح اپنے بدن کو سمیٹتی ہے میں اس طرح کرکے اندر گھسا اس سے پتا چلا اگر کوئی کام ایسا ہو اس میں مشقت اٹھانی پڑتی ہو اور وہ کام قدرت کے اندر ہے تو اس کام کو کرنا جائز ہے،
7-ابو ہریرہ کو نعلین پاک عطا فرمائی امام جب کسی کو کہیں بھیجے تو اس کو ایسی نشانی دیکر بھیجے جس سے اس کو یقین ہو جائے کہ یہ امام کی ہی طرف سے آیا ہے،
8-جو کوئی اللہ کے ایک ہونے کا یقین رکھتا ہو یعنی وہ مسلمان ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا،
9-حضرت عمر نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مارا اگر شاگرد سبق یاد نہ کرتا ہو یا کوئی ایسی حرکت کرے جو قابل تادیب ہو تو اسے عند الضرورت مارا جا سکتا ہے تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے مگر یہ مارنا بھی ضرورت کی حد تک ہے حد سے پار ہو جانا ناجائز ہے،
10- اکابر کو اصاغر کا اپنا مشورہ اپنی رائے دینا جائز ہے کہ حضرت عمر نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا کہ لوگ پھر صرف کلمہ پر ہی تکیہ کرلیں گے عمل نہیں کریں گے،
11-اصاغر کی رائے مشورہ بہتر ہو تو اکابر کو اس کا مشورہ رائے کو قبول کرنا چاہئے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمر کی بات کو پسند فرمایا،
12- نبی علیہ السلام سے صحابہ کرام بہت زیادہ محبت کیا کرتے تھے کہ آپ نظر نہ آتے تھے تو آپ کی تلاش میں نکل پڑتے،
13- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور آپ علیہ السلام سے حدیث کا سماع و روایت آپ کی زندگی کا مقصد تھا،
14- صرف لا الہ اللہ پر ہی اکتفاء نہ کریں بلکہ جسم و جان دل سے پورا پورا عمل کرنا چاہئے،

15-حضرت عمر دلیر طاقتور جس بات کو حق سمجھتے تھے علی الاعلان اس کا اظہار کرتے تھے،

16-عوام الناس کے درمیان فتنہ نہ ہو اس ڈر کی وجہ سے بعض اوقات بعض احادیث کا بیان نہ کرنا جائز ہے تاکہ ناسمجھ لوگ اس سے غلط مفہوم مراد نہ لے لیں،

17-حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنتی ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا،

18-عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں آسمان سے قرآن نازل ہوتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کے مشورے کو اہمیت دی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جنتی ہیں۔

(ایمان کی ستر سے زائد شاخوں کی تفصیل)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ستر یا ساٹھ شاخیں ہیں ان سب میں افضل لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ کہنا ہے، اور ادنیٰ ان سب میں یہ ہے راہ میں سے موذی چیز کا ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 153)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1۔ اللہ پاک پر ایمان لانا،

2۔ انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام پر ایمان لانا،

3۔ فرشتوں پر ایمان لانا،

4۔ قرآن کریم اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا،

5۔ تقدیر پر ایمان لانا کہ بھلی بری تقدیر اللہ پاک کی طرف سے ہے۔

6۔ یوم آخرت پر ایمان لانا،

7۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا،

8۔لوگوں کے اپنی قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد موقف میں اکٹھا کئے جانے پر ایمان لانا،

9۔اس بات پر ایمان کہ مومنوں کا ٹھکانہ جنت اور کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

10-اللہ پاک کی محبت کے واجب ہونے پر ایمان لانا،

11۔ اللہ پاک سے خوف کھانے کے وجوب پر ایمان لانا،

12۔ اللہ پاک سے امید رکھنے کے وجوب پر ایمان لانا،

13۔ اللہ پاک پر اعتماد و توکل کرنے کے وجوب پر ایمان لانا،

14۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت کے واجب ہونے پر ایمان لانا،

15۔ غلو کیے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور احترام کے واجب ہونے پر ایمان لانا،

16۔ آدمی کا اپنے دین سے اس قدر محبت کرنا کہ جہنم میں ڈالا جانا اس کے نزدیک کفر کرنے سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہو۔

17۔ طلبِ علم: یعنی دلائل کی روشنی میں اللہ پاک، اس کے دین اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی معرفت کا حصول۔

18۔ علم کی نشر و اشاعت اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینا۔

19۔ قرآن کریم سیکھ کر، دوسروں کو سکھا کر، اس کے حدود و احکام کی حفاظت کر کے، اس کے حلال و حرام کی معرفت حاصل کر کے، اس کے متبعین کی عزت و تکریم کر کے نیز اس کو حفظ کر کے اس کی تعظیم کرنا۔

20۔طہارت و پاکی اور وضو کی پابندی کرنا۔

21۔پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرنا۔

22۔زکوۃ ادا کرنا۔

23۔فرض اور نفل روزے رکھنا۔

24۔ اعتکاف کرنا۔

25۔ خانۂ کعبہ کا حج کرنا۔

26۔ اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرنا۔

27۔ اللہ پاک کی راہ میں مرابطہ (سازو سامان اور ہتھیار لے کر اسلامی حدود کی نگرانی کرنا)۔

28۔ دشمن کے سامنے ثابت قدم رہنا اور میدان جنگ سے نہ بھاگنا۔

29۔مال غنیمت حاصل کرنے والوں کا اپنے امام یا اس کے نائب کو مال غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرنا۔

30۔ اللہ پاک سے تقرب کی خاطر غلام آزاد کرنا۔

31۔جنایات (جرائم) پر واجب ہونے والے کفاروں کی ادائیگی جو کتاب و سنت میں چار ہیں: قتل کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قسم کا کفارہ اور ماہ رمضان کے دن میں بیوی سے ہمبستری کرنے کا کفارہ۔

32۔ معاملات (عہد وپیمان) کو پورا کرنا۔

33۔ اللہ پاک کی نعمتوں کا شمار اور اس پر واجب شکر گزاری۔

34۔ غیر ضروری (لایعنی) چیزوں سے زبان کی حفاظت کرنا۔

35۔امانتوں کی حفاظت اور انہیں ان کے مستحقین کو ادا کرنا۔

36۔ کسی جان کے قتل اور اس پر ظلم کرنے کو حرام جاننا۔

37۔ شرمگاہوں کی حفاظت اور ان میں لازم عفت و عصمت اختیار کرنا۔

38۔ حرام اموال سے ہاتھ روک لینا، اور اس میں چوری'رہزنی'رشوت خوری اور شرعاً ناجائز مال کھانے کی حرمت وغیرہ شامل ہے۔

39۔ کھانے پینے میں احتیاط کا وجوب، اور کھانے پینے کی ناجائز اشیاء سے اجتناب۔

40۔ حرام اور مکروہ لباس' وضع قطع اور حرام کردہ برتنوں سے اجتناب کرنا۔

41۔ شریعت اسلامیہ کے مخالف کھیل کود اور تفریحی اشیاء کو حرام جاننا۔

42۔ خرچ میں میانہ روی اپنانا اور باطل طریقہ سے مال کھانے کو حرام جاننا۔

43۔ بغض و حسد سے اجتناب۔

44۔ لوگوں کی عزت و ناموس کی حرمت اور ان میں نہ پڑنے کا وجوب۔

45۔ اللہ پاک کے لئے اخلاص عمل' اور ریاکاری سے اجتناب۔

46۔ نیکی پر مسرت و شادمانی اور گناہ پر رنج و غم (کا احساس)۔

47۔ توبۂ نصوح (خالص توبہ) سے ہر گناہ کا علاج کرنا۔

48۔ تقرب الٰہی کے اعمال، اجمالی طور پر ہَدِی، قربانی اور عقیقہ ہیں۔

49۔ اولو الامر (ائمہ' امراء اور حکام) کی اطاعت۔

50۔ 'جماعت' کے عقیدہ و منہج کی پابندی۔

51۔ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا۔

52۔ بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔

53۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں باہمی تعاون۔

54۔ شرم وحیا۔

55۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک۔

56۔ صلہ رحمی (رشتہ جوڑنا)۔

57۔ حسن اخلاق۔

58۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک۔

59۔ غلاموں پر ان کے آقاؤں (مالکان) کے حقوق۔

60۔ اہل و عیال اور بچوں کے حقوق کی ادائیگی۔

61۔ دین داروں سے قربت، ان سے محبت اور ان سے سلام و مصافحہ کرنا۔

62۔ سلام کا جواب دینا۔

63۔ بیمار کی عیادت کرنا۔
64۔ اہل قبلہ میں سے مرنے والوں پر نماز جنازہ کی ادائیگی۔
65۔ چھینکنے والے کو جواب دینا(یعنی اس کے "الحمدللہ" کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا)۔
66۔ کفار اور فسادیوں سے دوری اختیار کرنا اور ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنا۔
67۔ پڑوسی کی عزت کرنا۔
68۔ مہمان کی عزت و تکریم۔
69۔ گنہگاروں کی پردہ پوشی کرنا۔
70۔ مصائب پر صبر اور جن لذتوں اور خواہشات کی طرف نفس کا میلان ہوتا ہے ان سے رک جانا،
71۔ دنیا سے بے رغبتی اور قلت آرزو۔
72۔ غیرت کا مظاہرہ اور بے جا نرمی سے پرہیز۔
73۔ غلو سے اجتناب۔
74۔ سخاوت و فیاضی۔
75۔ چھوٹے پر شفقت اور بڑے کا احترام۔
76۔ باہمی اختلافات کی اصلاح۔
77۔ آدمی اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور اس کے لئے اس چیز کو ناپسندیدہ کرے جسے خود اپنے لئے ناپسند کرتا ہے، اس میں راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی شامل ہے،
78۔ ایمان کی 60 یا 70 سے زیادہ شاخیں ہیں جنہیں ہم نے تفصیل سے ذکر کر دیا،
79۔-سب سے افضل شاخ لا الہ الا اللہ کہنا ہے چونکہ اس کی تصدیق و اقرار کے بعد انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے اسی لئے اس کو افضل قرار دیا گیا یہ تمام شاخ کی

اصل ہے۔

80- ساٹھ شاخیں ہیں یا ستر شاخیں ہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ راجح روایت کونسی ہے 60 والی یا 70 والی بعض نے 60 کو راجح قرار دیا ہے اور بعض نے 70 کو اور ان شاخوں کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے،

81- ان شاخوں میں سے جو جتنا عمل پیرا ہو گا اس کا ایمان اتنا ہی کامل ہو گا۔

82- اقرار و تصدیق کے بعد بھی ایمان کی کچھ شاخیں ہیں کچھ کا تعلق عمل سے ہے اور کچھ کا تعلق عقیدہ سے،

83- ان شاخوں میں سے بعض کا انکار کفر ہے اور بعض کا انکار گمراہی،

کیا ہر صحابی نبی جنتی کہنا صحیح نہیں ہے؟

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جنگ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک شخص کو جو دعویٰ کرتا تھا اسلام کا (یعنی اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا) یہ جہنم والوں میں سے ہے جب لڑائی کا وقت آیا تو یہ شخص خوب لڑا اور زخمی ہوا۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہ! آپ نے جس شخص کو جہنمی فرمایا وہ آج خوب لڑا اور مر گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں گیا بعض مسلمانوں کو اس میں شک ہونے کو تھا (کیونکہ ظاہری حال سے اس کا جنتی ہونا پایا تھا) اتنے میں خبر آئی کہ وہ مرا نہیں زندہ ہے، لیکن بہت سخت زخمی ہے۔ جب رات ہوئی تو وہ زخموں کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے اپنے آپ کو مار لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بڑا ہے میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا بھیجا ہوا ہوں (اس لیے کہ جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلادی تھی وہ سچ نکلی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا بلال رضی اللہ عنہ کو، انہوں نے منادی کر دی لوگوں میں کہ ”جنت میں نہ جائے گا کوئی شخص مگر وہی جو مسلمان ہو، اور اللہ مدد کرے گا

اس دین کی فاجر آدمی سے بھی۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 305)

مذکورہ حدیث سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1- نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر مطلع ہیں تبھی تو بتایا کہ وہ جہنمی ہے۔
2- کفار سے جہاد فرض ہے یہ واقعہ کفار سے جہاد کے وقت کا ہے۔
3- خودکشی کرنا حرام ہے جہنم میں لے جانے والا کام ہے،
4- جب کوئی کام پورا ہو جائے یا دعاء قبول ہو جائے تو اللہ کی حمد و بڑائی بیان کرنا چاہیئے،
5- کون جنتی ہے کون جہنمی ہے نبی علیہ السلام جانتے ہیں،
6- آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں،
7- ابوہریرہ کہتے ہیں و اسلام کا دعوی کرتا تھا یعنی ایمان والا نہیں تھا معلوم ہوا محض اسلام کا دعویٰ کرنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا بلکہ مسلمان ہونے کے لیے صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پڑتا ہے،
8- جنت میں صرف وہی جائے گا جو مسلمان ایمان والا ہو گا،
9- کافر کے لئے جہنم ہے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا،
10- دین کی مدد اللہ عزوجل کسی کافر یا فاجر آدمی سے بھی کرا سکتا ہے جیسا کی اس روایت میں ایک شخص سے کام لیا،
11- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں بشر ہیں نوری بشر ہیں خیر البشر ہیں،
12- کسی بات کو عام کرنے کے لیے لوگوں میں اعلان کرنا جائز ہے,
13- اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ وہ خودکشی کرنے والا شخص صحابی تھا اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہر صحابی نبی جنتی یا یہ کہ صحابی جہنم میں نہیں جائیں گے، یہ اعتراض شیعہ حضرات کی طرف سے بھی کیا جاتا ہے،

14- الجواب ایک خطیب صاحب نے تقریر کی اور اس میں نہ جانے معاذ اللہ کیا کیا بکا اور کہا فلاں صحابی عذاب قبر سے نہیں بچا فلاں کو عذاب قبر ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں کے لیے بھی کچھ جملے کہے تھے شاید وہ بھی عذاب سے ہی متعلق تھے۔ فقیر نے خطیب صاحب سے پوچھا آپ یہ کیا بیان کر رہے ہیں کہ فلاں صحابی کو عذاب قبر ہوا معاذ اللہ وہ تو جنتی ہیں تو خطیب صاحب نے کہا وہ ایک روایت میں ہے، کہ ایک صحابی نے خود کشی کرلی تھی اور ان کو جہنمی قرار دیا تھا نبی علیہ السلام نے، اس پر میں نے ان خطیب صاحب سے کہا وہ شخص صحابی نہیں بلکہ وہ تو منافق تھا اور محدثین نے اس کے بارے میں صاف فرمایا ہے وہ منافق تھا چند احادیث کی شروحات اور اکابر علماء کے نام بتائیں تو خاموش ہوئے بعد میں کہنے لگے میں یوٹیوب پر سنا تھا بہت بڑے خطیب نے بیان کیا ہے اس پر فقیر نے کہا یوٹیوب پر بیان کا ہونا حجت نہیں آپ دلائل دیں خیر بعد میں انہوں نے جمعہ کے روز اپنی تقریر میں رجوع کرلیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے خود کشی کرنے والا شخص مسلمان نہیں بلکہ وہ منافق تھا جیسا کی حضرت ابو ہریرہ خود فرماتے ہیں وہ اسلام کا دعوی کرتا تھا یعنی حقیقتاً مسلمان نہیں تھا کچھ منافق اپنی طاقت دکھانے یا اپنے قبیلے کی وجہ سے یا مال دولت ہاتھ آجائے گا اس لیئے بظاہر مسلمان ہو کر مسلمانوں کی طرف سے لڑتے تھے انہیں میں سے ایک یہ بھی تھا، یہ شخص منافق تھا جیسا کی علامہ عینی علامہ نووی اور دیگر محدثین نے اس کی وضاحت کی ہے اور فرمایا ہے اس کا نام قزمان تھا۔ اور پھر نبی علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اعلان کر دو جنت میں صرف مسلمان ہی جائے گا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ منافق تھا اللہ عزوجل نے اس کے نفاق پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا تھا اور آپ نے فرمایا وہ جہنمی ہے۔ اس سے یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ وہ صحابی تھا۔

(فقیر دانش حنفی)

ہر بڑے جرائم و گناہ مرد زیادہ کرتے ہیں تو پھر عورتیں جہنم میں زیادہ کیوں؟

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ دو اور استغفار کرو کیونکہ میں نے دیکھا جہنم میں اکثر عورتیں ہیں۔ ایک عقل مند عورت بولی: یارسول اللہ! اس کا کیا سبب ہے؟ عورتیں کیوں زیادہ ہیں جہنم میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لعنت بہت کرتی ہیں اور خاوند کی ناشکری کرتی ہیں، میں نے عقل اور دین میں کم اور عقل مند کو بے عقل کرنے والی تم سے زیادہ کسی کو نہ دیکھا، وہ عورت بولی: ہماری عقل اور دین میں کیا کمی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عقل کی کمی تو اس سے معلوم ہوتی ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین میں کمی یہ ہے کہ عورت کئی دن تک (ہر مہینے میں) نماز نہیں پڑھتی (حیض کی وجہ سے) اور رمضان کے روزے نہیں رکھتی (حیض کے دنوں میں)۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 241)

مذکورہ حدیث سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1- صدقہ اور استغفار کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے بندے کو بخش دیتا ہے۔
2- نبی علیہ السلام غیب جانتے ہیں کون جنتی ہے کون جہنمی یہ بھی جانتے ہیں،
3- جہنم میں اکثر عورتیں لعنت کرنے اور شوہر کی نافرمانی کی وجہ سے جائیں گی،
4- عورتوں کا عالم مفتی سے سوال کرنا جائز ہے،
5- شوہر کی نافرمانی کرنا ناجائز ہے،
6- لعنت کرنا ناجائز ہے،
7- عورتیں عقل مند کو بھی بے عقل کر دیتی ہیں،
8- عورتوں کی عقل میں کمی ہے وہ ناقص العقل ہیں، واضح ہو عورتیں ناقص العقل ہے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ احمق یا کم عقل ہیں بلکہ مرد کے مقابل عورت کم عقل ہے

فی نفسہ عورت کی عقل میں کوئی کمی نہیں ہے،

9-عورتوں کے دین میں کمی ہے اور وہ کمی کا سبب ان کے حیض کے ایام ہیں، کہ ان دنوں وہ روزہ نماز ادا نہیں کر سکتیں، واضح ہو دین میں کمی کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ وہ ان ایام میں اطاعت و بندگی میں پیچھے رہ جاتی ہیں، نہ کہ یہ کے عورتوں کے نفس دین یا ایمان میں کمی ہے،

10-دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اس مسئلہ کو لیکر آزاد خیال لبرل اور جاہل کہتے ہیں عورت کو مذہب اسلام میں عزت مقام نہیں دیا گیا، اس کو کم تر سمجھا جاتا ہے حالانکہ ان کے یہ اعتراضات کرنا فضول ہیں ہمارے علماء اس کا جواب شروع سے تحریر کرتے آرہے ہیں اب چونکہ ہمارا موضوع اس پر بحث کرنا نہیں ہے ورنہ ہم اس پر قدر تفصیلی اور تحقیقی سیر حاصل گفتگو کرتے اس لیے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنا کہیں گے کہ عورت مرد کے مقابل کمزور ہے ناقص العقل ہے گواہی دینا ہمت کا کام ہے کبھی کبھی گواہی دینا بہت بھاری پڑ جاتا ہے کبھی گواہی دینے والے کو جان کا خطرہ بھی ہو جاتا ہے اور کبھی گھبراہٹ میں کچھ کا کچھ کہہ دیا جاتا ہے، اس لیے دو عورتوں کو گواہ بنانے کو کہا گیا ہے تاکہ گھبراہٹ نہ ہو ڈر نہ لگے کہیں ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلادے، پس یہی وجہ ہے دو عورتوں کو گواہ بنانے کو کہا گیا ہے، ورنہ بعض امور جو خطرہ اور ڈر سے خالی ہیں ایسے ہیں کہ اس میں صرف ایک عورت کی گواہی کافی سمجھی گئ ہے کتب فقہ میں اس کا بیان موجود ہے،

11- حیض کے ایام میں عورت نماز نہیں پڑھ سکتی،

12- حیض کے ایام میں عورت روزے بھی نہیں رکھ سکتی،

13- ناشکری کو کفر بھی کہا جاتا ہے جیسا کی اس حدیث میں ناشکری کو کفر کہا گیا ہے، یعنی کفران نعمت پر بھی کفر کا اطلاق ہوتا ہے، واضح ہو یہاں کفر سے مراد نافرمانی ناشکری ہے نہ کہ یہ کے دین اسلام کے انکار کے معنی میں ہے،

14-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے ابھی قیامت نہیں آئی ابھی جنت و دوزخ کی جزاو سزادخول کا معاملہ شروع نہیں ہوا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم میں عورتوں کو دیکھا کیسے ؟

15-اس کا جواب یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس متعلق علم عطا فرمایا گیا یا یہ کہ عالم مثال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل کا دکھا دیا گیا جس وجہ سے آپ جہنم میں جانے والوں پر مطلع ہو گئے،

16-اس روایت پر ایک اعترض یہ وارد ہوتا ہے پوری دنیا میں دیکھا جائے تو بڑے بڑے جرائم کرنے والے مرد ہوا کرتے ہیں، مثلاً چوری ڈاکا زنی لوٹ مار قتل غارت زناکاری شراب نوشی بدمعاشی، خدائی کا دعویٰ کرنے والے نبوت کا دعویٰ کرنے والے الغرض تمام جرائم کرتے ہوئے مرد نظر آتے ہیں، عورتیں جرائم کرتی ہوئی بہت کم نظر آتی ہیں، اس اعتبار سے تو مردوں کو زیادہ جہنم میں ہونا چاہیے تھا نہ کہ عورتوں کو اور اسلام ایسا مذہب ہے عورت ایمان لے بھی ائے تو بھی وہ جہنم میں زیادہ ہوں گی،

17-اس کا جواب یہ ہے بے شک تمام بڑے جرائم مرد ہی کرتے ہیں، بلکہ عورتوں سے زیادہ مرد حضرات ہی جرائم و گناہ کرتے ہیں، مگر یہاں جہنم میں عورتوں کی کثرت کا سبب شوہر کی نافرمانی اور لعنت کرنا بتایا گیا ہے یعنی عورتیں جس گناہ کے سبب جہنم میں زیادہ جائیں گی یا جہنم کی مستحق ہوں گی وہ گناہ شوہر کی نافرمانی و لعنت کرنا ہے نہ یہ کہ عمومی طور پر عورتوں کی تعداد جہنم میں زیادہ ہو گی، اور جنت میں کم بلکہ عورتوں کی تعداد جنت میں مردوں سے زیادہ ہو گی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہی فرمایا کرتے تھے جیسے کے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے،

اسماعیل بن علیہ نے کہا: ہمیں ایوب نے محمد بن سیرین سے خبر دی کہ حصول علم کے لیے جمع ہونے والے مردوں اور عورتوں نے باہمی اظہار تفاخر یا علمی مذاکرہ کرتے ہوئے اس موضوع پر بات کی کہ جنت میں مرد زیادہ ہوں گے یا عورتیں؟

تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا نہ تھا: "پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہو گی ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند جیسی ہوں گی اور جو ان کے بعد جائے گی وہ آسمان میں سب سے زیادہ چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہو گی، ان میں سے ہر آدمی کی دو دو بیویاں ہوں گی، ایسے شفاف اور منور جسم والیں کہ ان کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا، پوری جنت میں بیوی سے محروم کوئی شخص بھی نہ ہو گا۔ صحیح مسلم حدیث 7147

اس روایت سے واضح ہو گیا جنت میں ہر مرد کی دو بیویاں ہو گی جب ایسا ہے تو عورتوں کی تعداد بھی جنت میں زیادہ ہو گی، اور اس سے وہ اعتراض بھی اٹھ جاتا ہے جو اس روایت پر کیا جاتا ہے یا یہ کہا جاتا ہے عورتیں اسلام قبول کر بھی لیں تو بھی جہنم میں زیادہ ہوں گی،

علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم جلد 7 صفحہ 670 پر لکھتے ہیں، قاضی عیاض نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے کیونکہ کم از کم درجہ یہ ہے کہ آدمی کی دو بیویاں ہوں گی، اس سے معلوم ہوا جنت میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کے میں جہنم پر مطلع ہوا تو دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی یعنی جنت اور دوزخ دونوں میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہو گی یہ جنت میں دو بیویاں کا ہونا بنی آدم کے اعتبار سے ہے رہی حوریں تو وہ تو ایک آدمی کو کئی کئی ملیں گی۔

اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہے تو اس کی تکفیر کرنا سنگین جرم ہے

صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے عسعس بن سلامہ کو کہلا بھیجا سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے زمانے میں کہ تم اکٹھا کرو میرے لیے اپنے چند بھائیوں کو تاکہ میں ان سے حدیث بیان کروں، لوگ اکٹھے ہوئے تو سیدنا جندب رضی اللہ عنہ آئے ایک زرد ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: تم باتیں کرو جو کرتے تھے۔ جب لوگ اپنی باتیں ختم کر کے سیدنا جندب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے ٹوپی اپنے سر سے اتار کر فرمایا۔ میں تمہارے پاس آیا اس ارادے سے کہ میں بیان کروں تم سے حدیث تمہارے پیغمبر علیہ السلام کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر مشرکوں کی ایک قوم پر بھیجا، اور وہ دونوں ملے یعنی آمنا سامنا ہوا میدان جنگ میں تو مشرکوں میں ایک شخص تھا، وہ جس مسلمان پر چاہتا اس پر حملہ کرتا اور مار لیتا آخر ایک مسلمان نے اس کی غفلت کو تاکا اور لوگوں نے ہم سے کہا: وہ مسلمان سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر جب انہوں نے تلوار اس پر سیدھی کی تو اس نے کہا: لا الہ الا اللہ لیکن انہوں نے مار ڈالا اس کے بعد فتح کی خبر نبی علیہ السلام تک پہونچی تو بتانے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا بھی حال بیان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا یعنی اسامہ کو اور پوچھا: "تم نے کیوں اس کو مارا؟" اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اس نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا، فلاں فلاں کو اور نام لیا کئی مسلمانوں کا پھر میں اس پر غالب ہوا۔ جب اس نے تلوار کو دیکھا تو لا الہ الا اللہ کہنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کو قتل کر دیا، انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! دعا کیجیے میرے لیے بخشش کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ اور یہی کہتے رہے۔ تم کیا جواب دو گے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن آئے گا" (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 279)

مذکورہ حدیث سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1-حدیث بیان کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کرنا جائز ہے،

2-ٹوپی پہننا سنت ہے،

3-لوگ باتوں میں مشغول ہوں تو دین کی بات بیان نہ کی جائے تاکہ مسئلہ غلط نہ سمجھ بیٹھیں،

4-حدیث بیان کرتے وقت ٹوپی اتارلی جائے تو یہ جائز ہے مگر بہتر یہی ہے ٹوپی پہن کر بیان کریں،

5-مشرکوں سے جہاد کرنا فرض ہے،

6-مشرک کو قتل کرنا جائز ہے،

7-امام کو ایسے واقعہ کی خبر کرنا جائز ہے جو عجیب تر ہو،

8-قاضی مجرم سے جرم کی وجہ معلوم کرے ممکن ہے کوئی صحیح وجہ نکل ائے جس وجہ سے اس کو جرم کرنا پڑا ہو،

9-جب کوئی کافر کلمہ طیبہ پڑھ لے مسلمان ہو جائے تو اس کا قتل کرنا جائز نہیں،

10-شریعت کا حکم ظاہر پر نافذ ہوتا ہے باطن کا حال اللہ کو معلوم ہے،

11-اگر کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا تو قیامت کے دن اس سے اس بارے میں حساب ہو گا،

12-عالم مفتی یا ولی اللہ نیک متقی شخص سے اپنے لیے دعاء کروانا چاہیے

13 کسی مسلمان کو کافر قرار دیکر اس کو قتل کرنا بہت سنگین جرم و گناہ ہے اگر ہمارے سامنے کوئی انسان کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا ہو زبان سے اسلام قبول کرتا ہو تو ہمیں حکم شریعت یہی ہے کہ ہم اس کو مسلمان ہی خیال کریں بلکہ اس کو مسلمان جاننا فرض ہے، محض شک کی بنیاد پر اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا اگرچہ اس کے دل میں کچھ اور ہو چونکہ دل کا معاملہ غیبی ہے اور اللہ عزوجل اس کو جانتا ہے ہمیں حکم یہی ہے جب تک اس کا صریح اور قطعی کفر ظاہر نہ ہو جائے تو ہم اس کو مسلمان ہی جانے، صحیح مسلم میں ہے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عدی بن خیار کو خبر دی کہ انہوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیے کہ اگر کافروں میں سے کسی شخص سے میرا سامنا ہو، وہ مجھ سے جنگ کرے اور میرے ایک ہاتھ پر تلوار کی ضرب لگائے اور اسے کاٹ ڈالے، پھر مجھ سے بچاؤ کے لیے کسی درخت کی آڑ لے اور کہے: میں نے اللہ کے لیے اسلام قبول کر لیا تو اے اللہ کے رسول! کیا یہ کلمہ کہنے کے بعد میں اسے قتل کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل نہ کرو، انہوں نے کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے میرا ہاتھ کاٹ دیا ہو اور اسے کاٹ ڈالنے کے بعد یہ کلمہ کہے تو کیا میں اسے قتل کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل نہ کرو۔ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو وہ تمہارے اس مقام پر ہو گا جس پر تم اسے قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس جگہ ہو گے جہاں وہ کلمہ کہنے سے پہلے تھا۔ (صحیح مسلم حدیث 274)

اسی طرح مسند احمد کی ایک روایت میں ہے، حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا فلاں آدمی کے ساتھ فلاں قبیلے کے لوگوں سے جہاد کرو، میدان جہاد میں مردوں نے صف بندی کر لی، اور عورتیں ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں، جہاد سے واپسی کے بعد ایک آدمی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے نبی! میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے، نبی ﷺ نے پوچھا کیا تم سے کوئی گناہ ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ جب دشمن کو شکست ہوئی تو میں نے مردوں اور عورتوں کے

درمیان ایک آدمی کو دیکھا، وہ کہنے لگا کہ میں مسلمان ہوں، یہ بات اس نے میرے نیزے کو دیکھ کر اپنی جان بچانے کے لئے کہی تھی اس لئے میں نے اسے قتل کر دیا، نبی ﷺ نے اس کے لئے استغفار نہیں کیا، ایک حدیث میں دو مردوں کو قتل کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں اسلام کے علاوہ اور کس چیز پر لوگوں سے قتال کر رہا ہوں، بخدا! میں تمہارے لئے بخشش کی دعا نہیں کروں گا، یعنی جب اس نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں اسلام قبول کرلیا ہے تو تم نے قتل کیوں کر ڈالا کچھ عرصہ بعد وہ شخص مر گیا، اس کے خاندان والوں نے اسے دفن کر دیا لیکن صبح ہوئی تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا تھا، انہوں نے اسے دوبارہ دفن کیا اور چوکیدار مقرر کر دیا کہ شاید سوتے میں کوئی آکر اسے قبر سے نکال گیا ہو، لیکن اس مرتبہ پھر زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا، تین مرتبہ اسی طرح ہوا، بالآخر انہوں نے اس کی لاش کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ (مسند احمد حدیث 20179)

یہ روایات ہمیں بتاتی ہے مسلمان کو مسلمان جاننا ہم پر فرض ہے، اگرچہ تلوار کے ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھا ہو اسلام قبول کیا ہو، تو بھی اس کو مسلمان مانا جائے گا اس کا قتل کرنا اس کو کافر قرار دینا ناجائز حرام ہے، تکفیر کوئی آسان یا سادہ معاملہ نہیں ہے بلکہ تکفیر ایک انتہائی سنگین معاملہ ہے، جب آپ کسی مسلمان کو کافر قرار دیتے ہیں تو اس پر یہ حکم شرع مرتب ہوتے ہیں،

1- کسی مسلم کی تکفیر کا مطلب ہے اس کے ارتداد کا اعلان کرنا اور ارتداد کی سزا قتل ہے، لہذا اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے،

2- تکفیر کرنے کی وجہ سے اس کا مال اس کی ملکیت سے باہر نکل جاتا ہے وہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جاتا ہے،

3- کسی مسلم کی تکفیر کے بعد رشتہ زوجیت بھی ختم ہو جاتا ہے اور اس مرد و عورت کے لیے ایک ساتھ رہنا حرام ہو جاتا ہے، اور ان کے درمیان تفریق کر دی جاتی ہے،

4- مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا حرام ہے، لہذا جب کسی مسلمان کی تکفیر کردی جاتی ہے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا حرام ہو جاتا ہے،

5- تکفیر و ارتداد کے بعد اس کے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں ساری زندگی بھر کے حسنات نیکیاں سب اکارت و برباد ہو جاتی ہیں،

6- مرتد اپنا حق ولایت کھو دیتا ہے اس کی ما تحتی سے اس کی اولاد کو نکال لیا جاتا ہے،

7- نماز جنازہ سے محرومی جب کسی کی تکفیر کی جاتی ہے تو اس کو غیر مسلم قرار دیا جاتا ہے اور غیر مسلم کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی جاتی،

8- اس طرح مسلمانوں کے قبرستان سے محرومی مسلمانوں کا قبرستان مسلموں کے لیے خاص ہوتا ہے اور اس میں کسی کافر مرتد کو دفن کرنا جائز نہیں،

9- جواز لعنت، کہ تکفیر کی وجہ سے وہ اللہ عزوجل کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے

10- یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کفار کے لیے آخرت میں دائمی عذاب جہنم ہے، جب کسی کی تکفیر کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہمیشہ جہنم میں رہے گا، یہ چند احکام ہم نے ذکر کیے جو تکفیر کرنے پر مرتب ہوتے ہیں، یہ احکامات اس گروہ کو دعوت فکر دے رہے ہیں جو بات بات پر تکفیر کا حکم عائد فرماتے ہیں، انہیں اس بات کی غور فکر کرنا چاہیے ذرا سی چوک ایک مسلمان کو ان اذیتوں کا شکار بنا سکتی ہے، الغرض کسی کو کافر و مرتد کہنے سے زبان و قلم کو اس وقت تک روکنا چاہیے تا وقتیکہ اس کا کفر سورج کی مثل ظاہر نہ ہو جائے اس کے کفر میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے تب تک اپنی زبان و قلم کو تکفیر کرنے سے روکنا چاہیے ورنہ ایک ذرا سی چوک کسی مسلمان کی زندگی و آخرت دونوں کو تباہ کر سکتی ہے،

کیا خودکشی کرنے والے کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو ایک مضبوط قلعے اور تحفظ کی ضرورت ہے؟ یہ ایک قلعہ تھا جو جاہلیت کے دور میں بنو دوس کی ملکیت تھا آپ ﷺ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ یہ سعادت اللہ نے انصار کے حصے میں رکھی تھی۔ پھر جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو طفیل بن عمرو بھی ہجرت کر کے آپ کے پاس آ گئے، ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک آدمی نے بھی ہجرت کی، انہوں نے مدینہ کی آب و ہوا ناموافق پائی تو وہ آدمی بیمار ہوا اور گھبرا گیا، اس نے اپنے چوڑے پھل والے تیر لیے اور ان سے اپنی انگلیوں کے اندرونی طرف کے جوڑ کاٹ ڈالے۔ اس کے دونوں ہاتھوں سے خون بہا حتی کہ وہ مر گیا۔

حضرت طفیل بن عمرو نے اسے خواب میں دیکھا، انہوں نے دیکھا کہ اس کی حالت اچھی تھی اور یہ بھی دیکھا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ڈھانپے ہوئے تھے۔ حضرت طفیل نے عالم خواب میں اس سے کہا: تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا: اللہ نے اپنے نبی کی طرف ہجرت کرنے کے سبب مجھے بخش دیا۔ انہوں نے پوچھا: میں تمہیں دونوں ہاتھ ڈھانپے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں؟ اس نے کہا: مجھ سے کہا گیا: اپنا جو کچھ تم نے خود ہی خراب کیا ہے، ہم اسے درست نہیں کریں گے۔ طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ کو سنایا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 311)

مذکورہ حدیث سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1- ہجرت کرنا جائز ہے اور سب سے بہتر ہجرت یہ ہے بندہ گناہوں سے ہجرت کرے اور اللہ عزوجل اگر ہجرت کو قبول فرمالے تو وہ بخش دیتا ہے،

2- عالم دین کو اگر کوئی چیز پیش کرنے کی عرض کی جائے تو وہ اس چیز کو لینے سے

منع کر سکتا ہے،
3-انسان اگر بیمار ہو تو اس کو کوئی بھی ایسا کام کرنا جائز نہیں جو اس کی ہلاکت کا سبب بنے،
4-خود کشی کرنا حرام ہے جہنم میں لے جانے والا کام ہے،
5-انسان کا اپنے جسم سے کوئی بھی حصہ کاٹنا جائز نہیں، اور نہ ہی کسی کو یہ دان کر سکتا ہے، نہ ہی پیبند کاری جائز کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے ہاں ضرورت کے وقت خون دینا جائز ہے،
6-اللہ عزوجل بڑا ہی رحیم کریم ہے وہ چاہے تو کسی بھی عمل کے سبب بندے کے گناہ معاف کر سکتا ہے اسے بخش سکتا ہے اس لیے کوئی بھی عمل یہ سوچ کر ترک نہیں کرنا چاہیے کہ یہ چھوٹا سا عمل ہے،
7-اچھے خواب لوگوں کو بیان کرنا جائز ہے عالم یا مفتی صاحب کو خواب اس طور پر بیان کرنا کہ اس کی تعبیر معلوم ہو سکے یہ بھی جائز ہے۔
8-خود کشی کرنا حرام و گناہ ضرور ہے مگر کفر نہیں ہے خود کشی کرنے والا آخر میں جنت میں جائے گا اب اس کا جنت میں جانا گناہ کی سزا کے بعد ہو یا پھر محض اللہ عزوجل اپنی رحمت سے اس کے گناہ کو معاف کر کے اس کو داخل جنت فرمائے،
9-خود کشی کرنے والے کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی،
10-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی کے لیے بھی دعا فرمادیں اللہ عزوجل آپ کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور اس کو برکت عطا فرماتا ہے اس کو بخش دیتا ہے، ہمیں بھی یہ یقین ہے نبی علیہ السلام کی دعا کے صدقے اللہ عزوجل ہماری بھی مغفرت فرمائے گا ہمارے آقا نے اس امت کے لیے بہت دعاء فرمائی ہے اور اللہ عزوجل آپ کی اس دعا کو رد نہیں فرمائے گا۔ بلکہ امت کے معاملے میں آپ کو راضی فرمائے گا،

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد،

11- گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوئے اگر کوئی بغیر توبہ کیے، مر گیا تو وہ کافر نہیں ہے اور نہ ہی اس کا جہنمی ہونا قطعی ہے بلکہ وہ اللہ کی مشیت کے تحت ہے چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو رحمت سے معاف فرمائے،

12- اس روایت سے یہ بھی پتا چلا آخرت میں گناہ کی سزا ملتی ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس شخص کے ہاتھوں کی بخشش کی دعا فرمائی، اس روایت میں مرجئ کا رد ہے وہ کہتے ہیں بندہ مومن ایمان کے بعد کتنے ہی گناہ کرے اس کو کوئی ضرر کوئی نقصان نہ ہو گا،

کیا برائی روکنے میں صحابہ نبی علیہ السلام پر سبقت لے جاتے تھے؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا، ہم مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس دوران میں ایک بدوی آیا اور اس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے کہا: کیا کر رہے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے درمیان میں مت روکو، اسے چھوڑ دو۔" صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے اسے چھوڑ دیا حتی کہ اس نے پیشاب کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: یہ مساجد اس طرح پیشاب یا کسی اور گندگی کے لیے نہیں ہیں، یہ تو بس اللہ تعالیٰ کے ذکر نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔ یا جو بھی الفاظ رسول اللہ ﷺ نے فرمائے۔ انس رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: پھر آپ ﷺ نے لوگوں میں سے ایک کو حکم دیا، وہ پانی کا ڈول لایا اور اسے اس پر بہا دیا۔
(صحیح مسلم کتاب الطہارۃ حدیث 661)

مذکورہ حدیث سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1- مسجد میں عالم مفتی صاحب پیر صاحب کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے,

2- کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے مگر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا خلاف سنت ہے اور اس طرح پیشاب کرنے سے کپڑے نجاست سے آلود ہو جاتے ہیں اس لیے پیشاب بیٹھ کر ہی کرنا چاہیے،

3- مسجد میں ناپاکی یا نجاست لیکر آنا جائز نہیں،

4- اگر کوئی غلط کام کر رہا ہوں تو اس کو روکنا چاہیے جیسے صحابہ نے روکنا چاہا،

5- اگر کسی کو پیشاب رکوانے کی وجہ سے شدید بیماری ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کا پیشاب رکوانا جائز نہیں،

6- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفقت رحم فرمایا کرتے تھے لوگوں پر کہ اس پیشاب کرنے والے کو جھڑ کا نہیں بلکہ شفقت فرما کر سمجھایا،

7- صحابہ کرام کوئی بھی برائی دیکھتے تو اس کو مٹانے کے لیے ہر دم تیار رہا کرتے تھے۔

8- اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے صحابہ کرام نے نبی علیہ السلام سے سبقت لی امر بالمعروف پر تو کیا صحابہ نبی علیہ السلام پر سبقت لے جاتے تھے ؟

9- تو اس کا جواب یہ ہے نبی علیہ السلام شارع ہیں اور شارع کی طرف سے صحابہ کو یہ عام اجازت تھی کے برائی دیکھو تو اس کو ختم کرو اس لیے اس پر اعتراض نہیں بنتا۔

10- مسجد میں صرف اللہ کا ذکر نماز قرآن کی تلاوت کی جائے مسجد میں خرید فروخت کرنا یا چلانا لڑائی جھگڑے کرنا جائز نہیں،

11- ناپاک جگہ کو جتنی جلدی ہو سکے پاک کر دینا چاہے،

12- مسجد میں پیشاب کرنا ایک بلا ہے اور کسی کا پیشاب رکوا دینا جس وجہ سے اس کو شدید تکلیف ہو یا ہلاکت کا باعث بن جائے تو یہ بھی ایک بلا ہے اور جب دو بلاؤ میں گرفتار ہو جائیں تو چھوٹی بلا کو اختیار کیا جائے یہاں اس فقہ کے قاعدے کا ثبوت ہے،

13- نجاست کو جتنا جلدی ہو دور کر دیا جائے کہ اس پیشاب کا سوکھنے کا انتظار نہیں فرمایا بلکہ جلد اس پر پانی سے بہاکر اس جگہ کو پاک کیا گیا،

14- یہاں نبی ﷺ نے خود روکنے سے منع فرمایا تو صحابہ فوراً رُک گئے، جو ان کی اطاعت کی دلیل ہے،

15- صحابہ کی برائی روکنے کی جلدی ان کی ایمان کی شدت کی علامت تھی، مگر نبی ﷺ کی اطاعت ان کی ترجیح تھی۔

کیا قبر میں صحابہ کو عذاب ہو رہا تھا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ایک دفعہ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں مدفون مردوں کو عذاب دیا جارہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے۔ لیکن یہ عذاب کسی مشکل بات کی وجہ سے نہیں۔ ان میں سے ایک پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی تازہ شاخ لی اور اسے چیر کر دو حصے کر دیے، پھر ہر ایک قبر پر ایک ایک گاڑ دی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امید ہے کہ جب تک یہ دونوں ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی، (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ حدیث 677)

مذکورہ حدیث سے استنباط ہونے والے مسائل فوائد

1- قبرستان جانا جائز ہے،

2- مرنے کے بعد قبر میں گناہ کے سبب عذاب ہوتا ہے، اس روایت میں اہلسنت کے عقیدہ کی تائید اور منکر عذاب قبر کا رد ہے،

3- قبر میں مردے کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے سزا و جزا جو بھی ہو اس کو نبی علیہ السلام جانتے ہیں،

4- اس روایت میں نبی علیہ السلام کے علم غیب جاننے کی واضح دلیل ہے کہ قبر میں عذاب ہو رہا تھا اور جس عمل کے سبب ہو رہا تھا اس کو نبی علیہ السلام نے جان لیا۔

5- پیشاب سے نہ بچنا اور چغلی کرنا حرام و گناہ ہے،

6- درخت سے شاخ کو توڑنا جائز ہے،

7- قبر پر ہری شاخ یا پھول وغیرہ ڈالنا جائز ہے،

8- ہری بھری تر و تازہ چیز اللہ عزوجل کی تسبیح بیان کرتی ہے اور اس کے سبب عذاب قبر میں تخفیف کی امید ہے،

9-اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ دو قبر صحابہ کی تھیں اور ان کو عذاب ہو رہا تھا تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہر صحابی نبی جنتی!،

10-اس کا جواب یہ ہے، یہ قبریں صحابہ کی نہ تھیں بلکہ دو مسلمانوں کی قبریں تھیں اور یہ ضروری نہیں کہ جو مسلمان ہو وہ صحابی ہی ہو، اور بعض نے کہا ہے یہ حضرت سعد کی قبر تھی جس میں عذاب ہو رہا تھا حالانکہ ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ حضرت سعد کی تدفین میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، اسی طرح بعض نے کہا ہے، یہ قبریں کافروں کی تھیں ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں چونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبر والوں کے لیے عذاب میں تخفیف شفاعت کی دعا کی اور کافر کے لیے شفاعت نہیں ہے اور نہ ہی ان کے عذاب میں تخفیف ہے، مسند احمد کی بعض روایات میں قبرین جدیدین اور بقیع الغرقد کا ذکر آیا ہے جس سے نہ صرف زمانہ جاہلیت کی قبروں کی نفی ہوتی ہے بلکہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قبر مسلمان کی تھی چونکہ بقیع مسلمانوں کا قبرستان ہے، (مسند احمد حدیث 22648)

11-پیشاب مطلق ناپاک ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر اور اس سے اجتناب کرنا واجب ہے،

12-استنجاء کرنا واجب ہے اور جس جگہ پیشاب لگ جائے اس کو دھونا واجب ہے

13- دونوں قبر والوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام نہیں لیا تاکہ انکی پردہ دری رہے، اگر کسی کا عیب ظاہر ہو جائے تو اس کی پردہ دری کرنا چاہیے،

14- پیشاب سے نہ بچنا اور چغلی کرنا گناہ کبیرہ اور عذاب قبر کا سبب ہے چغلی اس طور پر گناہ کبیرہ ہے کی اس کے ذریعہ دو لوگوں میں فساد ڈالا جاتا ہے اور پیشاب اس طور پر گناہ کبیرہ ہے کے پیشاب لگا ہوا ہو تو وہ نماز کے مانع ہے،

15- اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے پیشاب سے نہ بچنا اور چغلی کرنا گناہ کبیرہ ہے تو حدیث میں کیوں کہا گیا کہ بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا؟,

16- اس کا جواب یہ ہے یہ دونوں کبیرہ گناہ تو ہیں مگر وہ دونوں ان گناہ کو بڑا گناہ نہیں سمجھتے تھے جس وجہ سے کہا گیا بڑے گناہ کے سبب نہیں ہو رہا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ گناہ ایسے گناہ نہیں ہے کہ جن سے بچنا بہت پریشانی کا سبب یا دشوار ہو بلکہ ان گناہ سے آسانی سے بچا جا سکتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا بڑے گناہ کے سبب نہیں ہو رہا،

یھودیوں کی عورتیں حائضہ ھوتی تووہ ان کے ساتھ کھانا پینا رھنا چھوڑ دیتے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی، جب ان کی کوئی عورت حائضہ ہوتی تو نہ وہ اس کے ساتھ کھانا کھاتے اور نہ اس کے ساتھ گھر ہی میں اکٹھے رہتے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپ سے اس بارے میں پوچھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری: "یہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے، یہ اذیت (کا وقت) ہے، اس لیے محیض (مقام حیض) میں عورتوں (کے ساتھ مجامعت) سے دور رہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماع کے سوا سب کچھ کرو، یہودیوں تک یہ بات پہنچی تو کہنے لگے: یہ آدمی ہمارے دین کی ہر بات کی مخالفت ہی کرنا چاہتا ہے۔ یہ سن کر اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہود اس اس طرح کہتے ہیں تو کیا ہم ان (عورتوں) سے جماع بھی نہ کر لیا کریں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا حتی کہ ہم نے سمجھا کہ آپ دونوں سے ناراض ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں نکل گئے، آگے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ کا ہدیہ آ رہا تھا، آپ نے کسی کو ان کے پیچھے بھیجا اور ان کو بلوا کر دودھ پلایا، وہ سمجھ گئے کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہوئے۔ (صحیح مسلم کتاب الحیض حدیث 694)

حدیث مذکورہ اخذ ھونے والے مسائل فوائد

1-حائضہ عورت کے ساتھ کھانا نہ کھانا اس کے ساتھ نہ رہنا یہ یہودیوں کا طریقہ ہے، اور ایک مسلمان کو یہ طریقہ اختیار کرنا ناجائز ہے،

2-صحابہ کرام علم حاصل کرنے کے لیے ہر دم تیار رہا کرتے تھے، یہود کے جب اس عمل کو دیکھا تو نبی علیہ السلام سے اس بارے میں مسئلہ معلوم کیا کہ ہمیں کیا حکم ہے اس بارے میں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکوں جواب عطا فرمایا،

3- نبی علیہ السلام کی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کتنی عظمت ہے، کہ سوال صحابہ کرام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور جواب اللہ عزوجل نے دیا سبحان اللہ،
4- حیض کے ایام میں بیوی سے مجامعت کرنا حرام ہے،
5- بیوی سے جماع کے علاوہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے، مثلاً بوس و کنار اس کے جسم کو ٹچ کرنا وغیرہ،
6- مسلمان یہودیوں کی مخالفت کرتیں ہیں تو یہ بات یہود پر بہت گرا گزرتی ہے اس سے ان کو شدید تکلیف ہوا کرتی ہے،
7- ہر وہ کام جس میں یہود کی مشابہت ہو اس سے بچنا لازم ہے اور ان یہود کی مخالفت کرنا لازم ہے،
8- مخالفت صرف اس حد تک کی جائے گی کہ شریعت کی حدود پار نہ ہو شریعت کی حدود پار کر کے کہ جس میں اللہ و رسول کی نافرمانی ہو اس طرح مخالفت نہیں کی جاے گی کہ صحابی نے کہا ہم کیوں نہ حیض میں جماع کیا کریں کہ اس میں یہود کی مخالفت ہو گی چونکہ وہ ان ایام میں بیوی کے قریب بھی نہیں آتے، ان ایام میں جماع کرنے میں اللہ کی نافرمانی تھی اسی لیے حضور علیہ السلام کا چہرے مبارک کا رنگ بدل گیا تھا،
9- حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب پر کتنی شفقت فرمانے والے ہیں، کہ آپ نے ان دونوں حضرات کو بلوایا اور ان کو دودھ پلایا،
10- ہدیہ قبول کرنا جائز ہے کے آپ کے لیے دودھ کا ہدیہ لایا گیا تو آپ نے قبول فرمایا،
11- علماء حضرات کو ہدیہ دینا جائز ہے اور ان حضرات کو ہدیہ دینا چاہیے کہ وہ ہمارے رہنما ہیں،
12- ہدیہ قبول کرنے کے بعد کسی دوسرے کو وہ ہدیہ دینا جائز ہے،

حضرت علی نے صحابی کے ذریعے مسئلہ معلوم کروایا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،: فرماتے ہیں مجھے مذی منی سے مختلف رطوبت جو اسی راستے سے خارج ہوتی ہے زیادہ آتی تھی اور میں آپ کی بیٹی یعنی حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتے کی وجہ سے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے میں شرم محسوس کرتا تھا۔ میں نے مقداد بن اسود سے کہا، انہوں نے آپ علیہ السلام سے پوچھا، آپ نے فرمایا: (اس میں مبتلا آدمی) اپنا عضو مخصوص دھوئے اور وضو کر لے. (صحیح مسلم کتاب الحیض حدیث 695)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1 - سسرال والوں کے سامنے حسن ادب کے ساتھ رہنا چاہیے بیوی سے استمتاع کی باتیں نہیں کرنا چاہیے کے ادب کے خلاف ہے

2 - فتوی حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے کو نائب بنانا جائز ہے کہ وہ فتوی حاصل کر کے اس کو بتائے

3 - جب یقینی قطعی خبر حاصل ہو سکتی ہو اس کے باوجود خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے، کہ مولی علی خود مسئلہ معلوم کرتے تو وہ آپ کے حق میں قطعی خبر حاصل ہوتی اس کے باوجود آپ نے حضرت مقداد سے مسئلہ معلوم کروایا جو کے خبر واحد ہے

4 - مذی خارج ہونے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے،

5 - مذی خارج ہو جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

6 - مذی ناپاک ہے کہ جس حصہ پر لگ جائے اس کو دھویا جائے گا۔

7 - پتھر کے ساتھ صرف بول براز سے استنجاء کیا جا سکتا ہے۔ باقی خون مذی منی کی نجاست کو پانی سے ہی دھو کر پاک کرنا ضروری ہے.

حضرت عائشہ کا ھار کھونے والی روایت سے 31 مسائل فوائد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفر میں آپ کے ساتھ نکلے، جب ہم بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش کی خاطر ٹھہر گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ رک گئے، نہ وہ پانی والی جگہ پر تھے نہ ان کے پاس پانی بچا ہوا تھا۔ لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: کیا آپ کو پتہ نہیں، حضرت عائشہ نے کیا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں کو روک رکھا ہے، نہ وہ پانی والی جگہ پر ہیں اور نہ لوگوں کے پاس پانی بچا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھ کر سو چکے تھے اور کہا: تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو روک رکھا ہے جبکہ نہ وہ پانی والی جگہ پر ہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا کہا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگانے لگے، مجھے صرف اس بات نے حرکت کرنے سے روکے رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری ران پر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے اور پانی کے بغیر ہی صبح ہو گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت اتاری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے تیمم کیا۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے، جو نقباء میں سے تھے، کہا: اے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خاندان! یہ آپ کی پہلی برکت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم نے اس اونٹ کو جس پر میں سوار تھی اٹھایا تو ہمیں اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔ (صحیح مسلم کتاب الحیض حدیث 816)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1-بیوی کا اپنے شوہر کے ساتھ سفر پر جانا جائز ہے،

2-اس میں یہ دلیل ہے مال حلال محترم ہے اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے گا اور اس کی حفاظت و تلاش کی ہر چند کوشش کی جائے گی،

3-ایسی جگہ قیام کرنا جائز ہے جہاں وضو وغیرہ کے لیے پانی نہ ہو، اس رستہ پر سفر کرنا جائز ہے جہاں پانی نہ ہو،

4-والد سے ان کی بیٹی کی شکایت کرنا جائز ہے اگرچہ اس کا شوہر وہاں موجود ہو،

5-والدین کا اپنی اولاد کو سرزنش کرنا جائز ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ کو سرزنش کی خواہ وہ بیٹی شادی شدہ صاحب منصب ہو،

6-شوہر کا اپنی بیوی کی ران پر سر رکھ کر سونے کا جواز ہے،

7-سفر میں تہجد کی رخصت یہ اس قول پر ہے کہ آپ علیہ السلام پر تہجد واجب تھی اور واجب نہ ہو تو پھر نفل نماز میں اختیار ورخصت ہے چاہے تو پڑھے چاہے تو نہ پڑھے،

8- تیمم میں نیت کرنا فرض ہے کہ تیمم کے معنی ہیں قصد کرنا،

9-اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کی برکت وفضیلت ہے،

10-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے آیت تیمم کا نازل ہونا،

11-کسی فعل کی نسبت اس کے سبب کی طرف کرنا کیونکہ پانی نہ ملنے کا سبب حضرت عائشہ کا ہار کا گم ہونا تھا،

12-کسی شخص کا اپنی بیٹی کے پاس جانا خواہ اس کا شوہر وہاں موجود ہو جبکہ یہ معلوم بھی ہو کہ یہ جائے گا تو شوہر اس پر راضی رہے گا،

13-اگر کسی شخص کو ایسی تکلیف پہنچے جو اضطراب وحرکت کا موجب ہو تو صبر کرنا چاہیے اور اپنے جسم کو ہلنے سے باز رکھے جبکہ اس کے باس کوئی سو رہا ہو یا نماز پڑھ رہا ہو یا قرآن پڑھ رہا ہو یا کوئی بیمار ہو کے اس طرح اس کو بے ارامی یا تشویش ہو گی،

14-پانی تلاش کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب نماز کا وقت آجائے کیونکہ جب نماز کا وقت آگیا تو اس وقت پانی تلاش کیا گیا۔

15-آیت وضو نازل ہونے سے پہلے وضو واجب تھا اسی وجہ سے صحابہ کو تشویش صدمہ لاحق ہوا کہ جس جگہ وہ ہیں وہاں پانی نہیں ہے،
16-اس میں یہ دلیل ہے تیمم بیمار تندرست مریض جنبی وضو سب کے لیے مشروع ہے،
17-اس حدیث میں سفر میں تیمم کے جائز ہونے کی دلیل ہے حضر میں تیمم کرنے میں اختلاف ہے،
18-اس میں مال کی حفاظت کا جواز ہے چاہے اس میں کتنا ہی وقت لگ جائے،
19-گمشدہ چیز کو تلاش کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ نبی علیہ السلام کی سنت ہے،
20-اگر کسی ایک کا نقصان ہو تو سب کو مل کر اس کے تدارک کی کوشش کرنی چاہے کہ ہار کو تلاش کرنے میں صحابہ نے مل کر تلاش کیا،
21-کسی چیز کو کرائے پر لینے کا جواز کے حضرت عائشہ نے وہ ہار بطور عاریتہ لیا تھا،
22-عاریتہ والی چیز کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر سفر پر لے جانا جائز ہے،
23-عورت کا اپنے شوہر کی خاطر زیبائش کے لیے ہار اور دیگر زیورات پہننا چاہیے،
24-کسی مصلحت کی خاطر مشقت کو برداشت کرنا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چٹکیاں لی نبی علیہ السلام کے آرام میں خلل نہ آے اس لیے مشقت کو برداشت کیا اپنے آپ کو ہلنے نہ دیا،
25-اگر آیت تیمم نازل نہ ہوتی تو لوگ حضرت عائشہ پر طعن کرتے کہ آپ کی وجہ سے بے وضو نماز پڑھنا پڑی اللہ عزوجل نے آیت تیمم کو نازل فرما کر اس طعن کو دور کر دیا اور جو لوگ آپ کی شکایت کر رہے تھے وہی لوگ آپ کی فضیلت و برکت بیان کرنے لگے،
26-حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں مقبولیت و عظمت، کہ جب منافقین نے آپ پر تہمت لگائی تو اللہ عزوجل نے آپ کی برائت و پاکی کا اعلان فرمایا اور آپ کی برکت سے حد قزف کا قانون نازل فرمایا جس کی وجہ سے قیامت تک کی عورتوں کی عزتیں محفوظ ہو گئ۔ اور آپ کی برکت سے اس امت کو آیت تیمم ملی کہ

بیمار مریض مسافر بے وضو جنبی کو تیمم کرنے کی رخصت ملی جس وجہ سے نمازوں کی حفاظت ہو گی،

27- اگر کسی بات کا علم ہو اور اس کو ظاہر نہ کرنے میں قوم کا فائدہ ہوتا ہو، تو اس مصلحت کے تحت اس بات کو ظاہر نہ کرنا چاہیے۔ کہ نبی علیہ السلام یہ جانتے تھے کے ہار اونٹ کے نیچے ہے، مگر اس مصلحت سے اس بات کو ظاہر نہ کیا کہ آیت تیمم نازل ہونے والی تھی جس میں اس امت کے لیے آسانی ہے،

28- اگر کوئی مصیبت آجائے اور تمام لوگ اس مصیبت کو دور کرنے لگے ہوں، تو حاکم کا اس وقت آرام کرنا جائز ہے، کہ صحابہ اس ہار کی تلاش میں تھے اور ہار کا گم ہو جانا مصیبت ہے جس کو صحابہ تلاس کر رہے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے،

29- سفر میں سواری کا انتظام کرنا سنت ہے کہ اس سفر میں سواری کے جانور اونٹ وغیرہ موجود تھے۔

30- تیمم کے 3 فرائض ہیں،

(1) نیت کرنا

(2) چہرا کا مسح کرنا

(3) دونوں ہاتھ کا کہنیوں سمیت مسح کرنا،

31- نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنا فرض ہے وضو پر قادر نہ ہو تو تیمم کرنا فرض ہے۔۔

اذان سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھنے کی تحقیق

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ فرما رہے تھے: "جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ مانگو کیونکہ وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا اور مجھے امید ہے وہ میں ہوں گا، چنانچہ جس نے میرے لیے وسیلہ طلب کیا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ حدیث 849)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- اذان کا جواب دینا مستحب ہے,

2- اذان کا جواب اسی طرح دینا چاہیے جس طرح مؤذن اذان دیتا ہے,

3- اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا چاہیے،

4- جو کوئی مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے،

5- اذان کے بعد حضور علیہ السلام کے لیے وسیلہ اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگنا چاہیے۔

6- وسیلہ جنت میں ایک خاص مقام ہے۔ اور وہ مقام صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہو گا،

7- جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ مانگتے ہیں ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے،

8- اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود ہم سے اپنے لیے دعا کرنے کے لیے کہا ہے تو پھر نبی کا وسیلہ دینا ان کو مدد کے لیے پکارنا جائز نہیں ہے،

9-اس کا جواب یہ ہے ہم سے دعا کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے فرمایا ہے۔ تاکہ تم اس طریقہ پر درود پڑھو اور اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائے، اور کل قیامت میں، میں تمہاری شفاعت کروں، اور تمہارا دعا کرنے سے تمہارا نام میرے خیر خواہ میں آجائے اور تم نمک حلالی کرنے والے لکھے جاؤ تمہارا نام میرے غلاموں میں شامل ہو جائے، ورنہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری دعاء کی ضرورت نہیں چونکہ اللہ عزوجل آپ پر رحمت بھیجتا ہے فرشتیں آپ پر درود بھیجتے ہیں، ہر روز آپ کی قبر انور پر ستر ہزار فرشتیں آتیں ہیں۔ تو درود پڑھوانے میں ہمارا فائدہ و اجر ثواب ہے،

10-اس روایت میں فرمایا گیا اذان کے بعد درود پڑھو اس میں مطلق پڑھنے کو فرمایا تو اس لیے چاہے جہر سے پڑھو یا پھر آہستہ دونوں طرح جائز ہے، البتہ جہر سے پڑھنے کی عادت نہ بنائے کہ لوگ جہر سے پڑھنے کو ضروری سمجھنے لگیں اس لیے کبھی کبھی آہستہ بھی پڑھا جائے۔ اذان سے پہلے درود پڑھنا چاہیے یا نہیں اس مسئلہ کو لیکر کافی بحث رہا کرتی ہے، تو ہم چاہتے ہیں کے اس پر تفصیلی تحقیقی کلام کر دیں،

فنقول و باللہ التوفیق،

جو لوگ عشق رسالت میں اذان سے پہلے درود پڑھتے ہیں ان کا درود پڑھنا جائز ہے، لیکن جو لوگ اس کو بدعت یا ناجائز کہتے ہیں ان کا یہ کہنا صحیح نہیں اور وہ لوگ خطا پر ہیں۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ اذان سے پہلے درود نہ پڑھا جائے کہ جس طرح اذان زمانہ رسالت میں ہوا کرتی تھی اسی طرح آج بھی ہونی چاہیے یعنی اذان سے پہلے درود نہ پڑھا جائے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا تو یہ نہیں فرمایا کے تم پہلے درود پڑھنا پھر اذان اسی طرح زمانہ صحابہ میں بھی اذان سے پہلے درود نہیں پڑھا جاتا تھا اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی نہیں پڑھا جاتا تھا اس لیے بہتر یہ ہے اذان سے پہلے درود نہ پڑھا جائے اور اسی طریقہ پر اذان ہو جو صحابہ اور بعد کے دور میں ہوا کرتی تھی،

اذان کے بعد صلوۃ وسلام کب ایجاد ھوا؟

اذان کے بعد صلوۃ و سلام کب ایجاد ہوا اس کے بارے میں امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قداحدث المؤذنون الصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح الجمعۃ فانہم یقدموم ذلک فیہما علی الاذان۔

والا المغرب فانھم لا یفعلونہ غالبا لضیق الوقتھا۔ وکان ابتداء حدوث ذلک فی ایام السلطان اناصر صلاح الدین ابی المظفر یوسف بن ایوب، وبامرہ و اما قبل ذلک فانہ لما قتل الحاکم ابن عبد العزیز امرت اختہ ست الملک ان یسلم علی ولدہ الطاھر، فسلم علیہ بما صورتہ۔ السلام علی الامام الطاھر ثم استمر السلام علی الخلفاء بعدہ خلفا بعد سلف۔ الی ان ابطلہ الصلاح المذکور و عوض عنہ بما، جوزیٰ خیرا۔ وقد اختلف فی ذلک۔ ھل ھو یستحب او مکروہ، او بدعۃ، او مشروع واستدل للأول بقولہ تعالیٰ۔ وافعلوا الخیرا۔ و معلوم ان الصلاۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أجل القرب۔ لا سیما و قد تواردت الاخبار علی الحث الی ذلک، مع ما جاء فی فضل دعا عقب الاذان التثلث الأخیر من الیل و قرب الفجر۔ والصواب انہ بدعۃ حسنۃ یؤجر فاعلہ بحسن نیتہ،

یعنی اذان دینے والوں نے صبح اور جمعہ کی اذان کے علاوہ پانچوں فرائض کی اذان کے بعد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر صلوۃ و سلام شروع کردیا مگر صبح اور جمعہ کی اذانوں سے پہلے صلوۃ و سلام پڑھتے تھے اور مغرب کی اذان کے بعد یا پہلے وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے صلوۃ و سلام پڑھتے تھے، اس کی ابتداء السلطان الناصر صلاح الدین ابو مظفر یوسف بن ایوب کے زمانہ مین اس کے حکم سے ہوئی۔ اس سے پہلے جب حاکم بن العزیز قتل ہوا تو اس کی بہن ست الملک نے حکم دیا اس کے بیٹے الظاہر پر سلام پڑھا جائے۔ جس کی یہ صورت تھی السلام علی الامام الظاہر کہہ کر سلام پڑھا

جاتا تھا پھر اس کے بعد یہ طریقہ اس کے خلفاء میں جاری رہا تمام خلفاء پر سلام پڑھا جاتا رہا حتی کے سلطان صلاح الدین نے اس کو بند کروا دیا اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے،

اذان کے بعد صلوۃ و سلام پڑھنے میں اختلاف ہے کہ یہ مستحب ہے، مکروہ ہے، بدعت ہے، یا جائز ہے، اس کے استحباب پر اللہ تعالی کے اس فرمان سے استدلال کیا گیاہے، نیکی کے کام کرو، اور یہ بات واضح ہے کہ صلوۃ و سلام عبادت کے قصد سے پڑھا جاتا ہے۔ خصوصاً اس کی ترغیب میں کثیر احادیث وارد ہیں۔ علاوہ ازیں اذان کے بعد دعا کرنے اور تہائی آخیر کے رات میں دعا کرنے کی فضیلت میں احادیث ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔ اور اس کے فاعل کو حسن نیت کی وجہ سے اجر ملے گا-(القول البدیع صفحہ 376)

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاول آخر سنۃ سبعماۃ و احد و ثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشرین احدث فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرتین و ھو بدعۃ حسنۃ،

یعنی اذان کے بعد سلام پیش کرنا سات سو اکیاسی ہجری ربیع الآخر سوموار کی رات عشاء کے وقت شروع ہوا۔ پھر جمعہ کے دن پڑھا جانے لگا۔ پھر دس سال بعد نماز کی اذانوں کے بعد پڑھا جانے لگا سوا مغرب کے۔ پھر مغرب کی اذان کے بعد دو مرتبہ پڑھا جانے لگا یہ بدعت حسنہ ہے۔

(رد المحتار جلد 1 صفحہ 362)

اسی طرح علامہ ابن حجر مکی علامہ طحطاوی اور علامہ علائی نے لکھا ہے۔

اذان کے بعد صلوۃ و سلام کی ابتداء آٹھ سو ہجری میں ہوئی اس کے استحباب بدعت جواز و کراہت ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف رہاہے۔ مگر محققین علماء کے نزدیک یہ

بدعت حسنہ ہے۔ہر چند کے اذان سے پہلے درود پڑھنا جائز و بدعت حسنہ ہے مگر یہ بات بھی ہماری آنکھوں سے او جھل نہیں ہونا چاہیے کے دور صحابہ تابعین یہاں تک کی آٹھ سو ہجری تک اذان سے پہلے درود نہ پڑھا جاتا تھا اذان سے پہلے اس کی ابتداء چودھویں صدی کے آخر میں شروع ہوئی اس لیے افضل طریقہ وہی ہے جو آٹھویں صدی تک چلا اور حضور کے بتائے طریقہ پر اذان ہوتی رہی اگرچہ اذان سے پہلے درود پڑھنا جائز ہے مگر درود یا صلوۃ و سلام کچھ وقفہ سے پڑھا جائے اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کردیا جائے تاکہ ان پڑھ لوگ اور آنے والی نسلیں اس کو ضروری اور اذان کا جز نہ سمجھیں مگر یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہیے جو عبادت جس طرح ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اسی طرح وہ عبادت کرنا چاہیے کے وہی ہمارے لیے افضل و برکت کا باعث ہے اور اس پر اضافہ کرنے کو صحابہ کرام بھی پسند نہیں فرماتے تھے، چنانچہ روایت ہے۔

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا عَطَسَ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَلَيْسَ هَكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا أَنْ نَقُولَ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ،

نافع کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے کہا' الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ 'یعنی تمام تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے رسول اللہ ﷺ پر ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کہنے کو تو میں بھی الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہہ سکتا ہوں، لیکن اس طرح کہنا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نہیں سکھلایا ہے۔ آپ نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم ' الحمد للہ علی کل حال '(ہر حال میں سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں) کہیں

(جامع ترمذی حدیث 2738)

قارئین کرام جس شخص نے چھینک کے بعد درود پڑھا تھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حضرت ابن عمر سے زیادہ نبی کریم سے محبت کرتا تھا کہ اس نے تو درود پڑھا چھینک کے بعد مگر حضرت عمر نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ ہی ایسا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے اس لیے منع کیا کہ معاذ اللہ حضرت ابن عمر کے دل میں نبی کریم کے لیے بغض تھا بلکہ آپ نے اس لیے منع فرمایا کہ چھینک کے بعد صرف اتنا ہی کہو جو رسول اللہ نے ہمیں بتایا ہے وہی طریقہ افضل و بہتر ہے۔ اس پر اپنی رائے سے اضافہ کرنا درست نہیں، اسی لیے ہم بھی پوری دیانت داری اور شرح صدر سے کہتے ہیں کے اذان سے پہلے درود پڑھنا اگرچہ جائز ہے مگر افضل و بہتر طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ نے ہمیں سکھایا اور جو طریقہ صحابہ تابعین یہاں تک کہ آٹھویں صدی تک جاری رہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ بتایا ہو اس کام کو اسی طرح کرنا چاہیے یا پڑھنا چاہیے حضرت براء نے بنبیک کی جگہ برسولک کہا تھا نبی کریم نے اس طرح کہنے سے منع فرمایا۔ ترمذی میں روایت ہے،

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا اخذت مضجعك ,فتوضأ وضوءك للصلاة ثم اضطجع على شقك الايمن ,ثم قل: اللهم اسلمت وجهي إليك، وفوضت امري إليك ,والجأت ظهري إليك رغبة ورهبة إليك ,لا ملجأ ولا منجأ منك إلا إليك، آمنت بكتابك الذي انزلت، وبنبيك الذي ارسلت، فإن مت في ليلتك مت على الفطرة"، قال: فرددتهن لاستذكره، فقلت: آمنت برسولك الذي ارسلت، فقال: قل آمنت بنبيك الذي ارسلت.

اے اللہ! میں تیرا تابع فرمان بندہ بن کر تیری طرف متوجہ ہوا، اپنا سب کچھ تجھے سونپ دیا، تجھ سے ڈرتے ہوئے اور رغبت کرتے ہوئے میں نے تیرا سہارا لیا، نہ تو میری کوئی امید گاہ ہے اور نہ ہی کوئی جائے نجات، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری ہے اور تیرے اس نبی پر ایمان لایا جسے تو نے بھیجا ہے"،

پس اگر تو اپنی اس رات میں مر گیا تو فطرت (اسلام) پر مرے گا، براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دعا کے ان الفاظ کو دہرایا تاکہ یاد ہو جائیں تو دہراتے وقت میں نے کہا: آمنت برسولک الذي أرسلت کہہ لیا تو آپ نے فرمایا: رسول نہ کہو بلکہ) آمنت بنبیک الذي أرسلت، کہو، میں ایمان لایا تیرے اس نبی پر جسے تو نے بھیجا ہے"

(جامع ترمذی حدیث 3574)

اس روایت میں حضرت براء نے صرف بنبیک کی جگہ برسولک کہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا حالانکہ اس طرح پڑھنا بھی جائز تھا اور معنی بھی صحیح تھا پھر بھی نبی کریم نے پسند نہیں فرمایا ان کا اس طرح پڑھنا اور اس طرح پڑھنے سے منع فرما دیا۔ چونکہ ان کا اس طرح پڑھنا آپ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نہ تھا اس لیے آپ نے پسند نہیں فرمایا اس طرح پڑھنے سے منع فرما دیا اسی طرح نماز کے بعد یہ جو دعا پڑھی جاتی ہے۔

الھم انت السلام و منک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام،

حدیث مبارکہ میں صرف اتنے ہی الفاظ ہیں، اس سے زیادہ الفاظ لوگوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں روایت ہے۔

عن عائشة، قالت: "كان النبي صلى الله عليه وسلم، إذا سلم، لم يقعد إلا مقدار، ما يقول: اللهم انت السلام، ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف یہ ذکر پڑھنے تک ہی (قبلہ رخ) بیٹھتے: اللہم! انت السلام ومنک السلام تبارکت ذاالجلال والاکرام "اے اللہ! تو ہی سلام ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے، تو صاحب رفعت وبرکت ہے، اے جلال والے اور عزت بخشنے والے!،

ملا علی قاری ان اضافہ شدہ الفاظوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔
قال الشیخ جزریؒ فی تصحیح المصابیح۔ واما ما یزاد بعد قولہٖ ومنک السلام من نحو والیک یرجع السلام ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام۔ فلا اصل لہٗ بل مختلق بعض القصاص،
یعنی شیخ جزری تصحیح المصابیح میں فرماتے ہیں۔ بعض حضرات اس دعاء میں جو ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں۔
والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام۔
سند کے اعتبار سے اس کی کوئی اصل نہیں۔ بلکہ بعض قصہ گو حضرات نے اسے اپنے پاس سے گڑھ لیا ہے، (مرقاتہ المفاتیح شرح مشکاتہ المصابیح صفحہ 35)
اس سے معلوم ہوا اپنے پاس الفاظوں کا اضافہ کیے بغیر اسی طرح پڑھنا چاہیے جس طرح ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی اسی بات کو علامہ حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔
ان الفاظ الاذکار توقیفتہٗ فی تعیین اللفظی وقدیر اثواب فربما کان فی اللفظی سر لیس فی الآخروان کان یرادفہٗ فی الظاہر،
یعنی ذکر کے الفاظ لفظ کے تعین اور ثواب کی مقدار میں توقیفی یعنی جن میں عقل کا دخل نہیں ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایک لفظ میں وہ راز ہوتا ہے۔ جو دوسرے میں نہیں ہوتا اگرچہ وہ لفظ بظاہر مترادف ہوتے ہیں، علامہ حجر کی اس عبارت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے الفاظ میں رد بدل نہیں کرنا چاہیے یعنی جو عبادت نبی علیہ السلام نے جیسی بتائی ہے ہمیں ویسے ہی کرنی چاہیے اس میں اپنی رائے سے اضافہ نہیں کرنا چاہیے، اور یہ جو ہم نے کہا اذان سے پہلے درود پڑھا جائے تو کچھ وقفہ اذان سے پہلے یا دونوں کے درمیان فاصلہ ہو اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کر دیا جائے تاکہ عوام اس کو اذان کا جز نہ سمجھ لیں۔ یہی خطرہ امام اہلسنت کو بھی تھا آپ فرماتے ہیں۔۔

درود شریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہیے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو، (فتاوی رضویہ جلد 5 صفحہ 387)

اس بحث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اذان سے قبل درود شریف پڑھنا بدعت حسنہ ہے۔ قبل اذان درود پڑھنا ہو تو فصل کر کے پڑھے۔ اور کبھی کبھی اس کو پڑھنا بھی ترک کرے تا کہ عوام اس کو اذان کا جز نہ سمجھ لے اذان دینے کا بہتر و افضل طریقہ وہی ہے جو نبی علیہ السلام کے دور سے لیکر 800 ہجری تک جاری رہا، اب اس بحث کو ہم یہی ختم کرتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق میں فقیر نے علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ کی شرح صحیح سے کثیر استفادہ حاصل کیا ہے، اگر میں اس مسئلہ میں حق و صواب پر ہوں تو یہ اللہ و رسول کی طرف سے ہے۔اور اگر میں اس مسئلہ میں خطا پر ہوں تو یہ میرے علم و مطالعہ کی کمی ہے۔اخیر میں ہم اذان سے پہلے صلوۃ و سلام و دیگر معمولات اہلسنت پر ایک دلیل دینا چاہتے ہیں،،

اذان سے پہلے صلوۃ وسلام پڑھنے ودیگر معمولات اہلسنت پر ایک دلیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بلال! مجھے وہ عمل بتاؤ جو تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہو، جس کے فائدے کی تمھیں سب سے زیادہ امید ہو کیونکہ میں نے آج رات جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے، بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے اسلام میں کوئی ایسا خاص عمل نہیں کیا جس کے فائدے کی مجھے زیادہ امید ہو مگر یہ کہ میں دن یا رات کی کسی گھڑی میں وضو کرتا مگر اس وضو کے ساتھ میں اتنی رکعت نماز پڑھتا ہوں جتنی اللہ نے میرے لیے لکھی ہوتی ہے، (صحیح مسلم حدیث 6324)

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اپنے اجتہاد سے کسی عبادت کا وقت مقرر کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت بلال نے دخول جنت کا یہ مرتبہ اپنے اجتہاد اور استنباط سے حاصل کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب فرمائی اور یہ جن نہیں فرمایا کہ تم نے از خود ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کو کیوں مقرر کر لیا؟

اس قیاس پر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر اذان سے کچھ وقفہ پہلے صلوۃ وسلام پڑھنا، جمعہ کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام پڑھنا، بارہ ربیع الاول کو حضور کے میلاد کی خوشی میں جلوس نکالنا اور محافل میلاد منعقد کرنا، موت کے تیسرے دن چالیسویں دن اور ایک سال کے بعد صدقات و خیرات کا ایصال ثواب کرنا، ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو ایصال ثواب کرنا، ان تمام عبادات کے لیے جو اوقات علماء اور صالحین نے اپنے اجتہاد سے مقرر کیے ہیں وہ اس حدیث کی روشنی میں جائز اور صحیح ہیں البتہ ان عبادات کے لیے ان اوقات کی تعیین کو لازم اور ضروری قرار دینا یا اس تعیین کو تعیین شرعی سمجھ لینا بدعت سیہ اور بدعت ضلالہ ہے، امام ترمذی کی حسب ذیل روایت سے بھی ان معاملات کی تائید حاصل ہوتی ہے،۔

مسجد قباء میں ایک انصاری شخص امامت کرتا تھا، اور اس کی عادت یہ تھی کہ جب بھی وہ ارادہ کرتا کہ کوئی سورت نماز میں پڑھے تو اسے پڑھتا لیکن اس سورت سے پہلے قل ھو اللہ احد پوری پڑھتا، پھر اس کے ساتھ دوسری سورت پڑھتا، اور وہ یہ عمل ہر رکعت میں کرتا تھا۔ تو اس کے ساتھیوں نے اس سے اس موضوع پر بات کی، انہوں نے کہا: آپ یہ سورت پڑھتے ہیں پھر آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ تو آپ کے لیے کافی نہیں ہے یہاں تک کہ دوسری سورت بھی پڑھتے ہیں، تو آپ یا تو صرف اسے پڑھیں، یا اسے چھوڑ دیں اور کوئی دوسری سورت پڑھیں، تو انہوں نے کہا: میں اسے چھوڑنے والا نہیں، اگر آپ لوگ پسند کریں کہ میں اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ امامت کروں تو امامت کروں گا اور اگر آپ لوگ اس کے ساتھ امامت کرنا پسند نہیں کرتے تو میں آپ لوگوں کی امامت کو

چھوڑ دوں گا۔ اور لوگ اس شخص کو سب سے افضل سمجھتے تھے اور ناپسند کرتے تھے کہ ان کے سوا کوئی دوسرا ان کی امامت کرے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان لوگوں کے پاس آئے تو انہوں نے آپ کو ساری بات بتائی۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں! تمہارے ساتھی جو بات کہہ رہے ہیں، اس پر عمل کرنے سے تمہیں کیا چیز روک رہی ہے اور تمہیں کیا چیز مجبور کر رہی ہے کہ ہر رکعت میں تم اس سورت کو پڑھو؟، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس سورت کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کردیا"۔

(سنن ترمذی حدیث 2901)

حضرت کلثوم بن ہدم انصاری رضی اللہ عنہ نے نماز کی ہر رکعت میں سورہ اخلاص پڑھنے کو لازم کرلیا اور یہ لزوم صرف قرآن مجید کی سورہ اخلاص کی محبت کی بنا پر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر ان کو جنت کی بشارت دی تو اسی منہج پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اگر اہل سنت اذان سے کچھ وقفہ پہلے یا نماز کے بعد اعتقاد لزوم کے بغیر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو معمول بنائیں تو وہ کب اس بشارت سے محروم ہوں گے؟ لیکن یہ تمام امور ادب اور محبت کے مظاہر ہیں، اور ان کو اسی درجہ میں رکھنا چاہیے اور کبھی کبھی ان امور کو قصداً ترک بھی کرنا چاہیے، تاکہ فرض اور واجب سے ان کا عملاً امتیاز قائم رہے، ہاں ان امور کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کرنا، اور نہ کرنے والوں کو برا جاننا اور ان کو ملامت کرنا بدعت سیہ اور بدعت ضلالہ ہے، جو مسلمان اتباع سنت کے جذبہ سے اذان سے پہلے یا بعد جہراً صلوۃ وسلام نہیں پڑھتے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں یہ معمول نہیں تھا ان کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے، ہاں جو لوگ بغض رسالت کی وجہ سے صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کو برا جانیں، انہیں برا کہیں، انہیں اہل بدعت سے تعبیر کریں اور صلوۃ وسلام پڑھنے سے منع کریں اور آمادہ پیکار ہوں ان کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے بایں ہمہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ

اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا جواز اور اجر و ثواب مسلم ہے لیکن اذان دینے کا اصل اور افضل طریقہ وہی ہے جس طریقہ سے زمانہ رسالت اور عہد صحابہ میں اذان دی جاتی تھی

کیا صحابہ کی جماعت کو حوض کوثر سے بھگا دیا جائے گا؟

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک نیند سی طاری ہوئی۔ پھر مسکراتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا جس پر ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو کسی چیز پر مسکرانا آ رہا ہے؟ ارشاد ہوا: مجھ پر ابھی ابھی قرآن کریم کی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

،بِسۡمِ اللَّهِ الرَّحۡمَٰنِ الرَّحِيم پڑھ کر إِنَّآ أَعۡطَيۡنَاكَ ٱلۡكَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنۡحَرۡ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلۡأَبۡتَرُ،

کی پوری سورت پڑھی اور فرمایا: تم لوگ جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ تو ارشاد ہوا: کوثر ایک نہر ہے جس کا پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ اور بروز محشر میرے امتی اس حوض کا پانی پینے کے لیے آئیں گے۔ اس حوض پر اتنے گلاس ہیں جتنے آسمان کے تارے۔ ایک شخص کو وہاں سے بھگا دیا جائے گا۔ جس پر میں کہوں گا: اے اللہ! یہ شخص میرا امتی ہے۔ کہا جائے گا نہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نہیں بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے آپ کے بعد نئے کام نکالے اور بدعتیں کیں۔"

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ حدیث 894)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- مسجد میں سونا جائز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے اور آپ کو نیند آگئ مگر مسجد میں سونے کی عادت بنانا صحیح نہیں،

2- مسجد میں مجلس منعقد کرنا جائز ہے،

3- کوئی خوش خبری ملے تو اس پر مسکرانا جائز ہے،

4- نیند کی حالت میں بھی انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی ہے،

5- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا ہوا اور کوثر ایک نہر ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس حوض کا پانی پینے جائیں گے۔ آسمان میں ستاروں کے برابر اس پر گلاس ہیں،

6- کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو حوض سے بھگا دیا جائے گا مگر یہ وہ لوگ ہوں گے کہ وہ دین سے پھر گئے ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ہو گا انہوں نے بدعتیں نکالی ہوں گی اور وہ اسی پر عمل پیرا ہوں گے جس سبب ان کو حوض کوثر سے بھگا دیا جائے گا،

7- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں ل، کس کو بھگایا جائے گا کتنے اس حوض پر گلاس ہیں یہ سب جانتے ہیں،

8- اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے سورہ کوثر پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے تو بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے نہ کے الگ سے کوئی آیت اگر کوئی آیت ہوتی تو آپ بسم اللہ نہ پڑھتے،

9- اس کا جواب یہ ہے بسم اللہ سورت کا جز نہیں ہے، یہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سورہ کوثر سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بطور تلاوت تھا نہ کے یہ سورہ کا جز ہے اگر یہ جز ہوتی تو پھر اقرا باسم ربک الذی، سے پہلے بسم اللہ پڑھی جاتی اور نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے بھی بسم اللہ کی تلاوت کی جاتی نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تبرک الذی عذاب قبر سے بچاتی ہے اس سے پتہ چلا بسم اللہ صرف ایک آیت ہے نہ کہ ہر سورہ کا جز اگر جز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبرک الذی سے پہلے بسم اللہ پڑھتے،

10-اس روایت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تو آپ کو پتہ ہوتا کہ وہ آپ کا امتی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے جن کو بھگایا جائے گا، آپ کو غیب کا علم حاصل ہے تبھی تو آپ نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا کچھ لوگوں کو حوض سے بھگایا جائے گا، رہا آپ کا اللہ سے یہ عرض کرنا یہ میرا امتی ہے تو وہ اس سبب سے ہے آپ کے دور میں مسلمانوں کے ساتھ بظاہر جو مسلمان بن کر رہے اور لوگ ان کو مسلمان جانتے تھے، ان پر ظاہر کرنے کے لیے عرض ہو گا کہ یہ میرے امتی ہیں اللہ فرمائے گا یہ دین سے پھر جانے والے لوگ ہیں، یا یہ کے آپ کے بعد یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے مگر یہ بدعات کیا کرتے تھے دین سے پھرگئے تھے، اور اس وقت ان کا باطن کا حال سب پر ظاہر ہو جائے گا، اس سے شیعہ حضرات کا بخاری کی اس روایت پر اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے، جس کے متعلق شیعہ حضرات کہتے ہیں کے صحابہ کی جماعت کو حوض سے بھگایا جائے گا، وہ صحابہ کی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین سے پھر جانے والی بدعات نکالنے والی جماعت ہو گی، اور صحابہ کی جماعت تو دین میں لوگوں کو داخل کرنے اور بدعات کو ختم کرنے والی جماعت ہے،

11-مسجد و مجلس میں مسکرانہ جائز ہے

کیا صحیح مسلم کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ھے اللہ آسمان میں ھے؟

حضرت معاویہ بن ابی حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ لوگوں میں سے ایک آدمی کو چھینک آئی تو میں نے کہا: یرحمک اللہ "اللہ تجھ پر رحم کرے، لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے دل میں کہا: میری ماں مجھے گم پائے، تم سب کو کیا ہو گیا؟ کہ مجھے گھور رہے ہو پھر وہ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے انھیں دیکھا کہ وہ مجھے چپ کرا رہے ہیں تو مجھے عجیب لگا لیکن میں خاموش رہا، جب رسول اللہ نماز سے فارغ ہوئے، تو میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے آپ سے پہلے اور بعد کے آپ سے بہتر کوئی معلم سکھانے والا نہیں دیکھا اللہ کی قسم! نہ تو آپنے مجھے ڈانٹا، نہ مجھے مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا۔ آپنے فرمایا: یہ نماز ہے اس میں کسی قسم کی گفتگو روا نہیں ہے، یہ تو بس تسبیح و تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے۔ یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ابھی تھوڑا عرصہ پہلے جاہلیت میں تھا، اور اللہ نے اسلام سے نواز دیا ہے، ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جو کاہنوں پیش گوئی کرنے والے کے پاس جاتے ہیں۔ آپنے فرمایا: تم ان کے پاس نہ جانا۔ میں نے عرض کی: ہم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو بدشگونی لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایسی بات ہے جو وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں، ایک طرح کا وہم ہے یہ وہم انھیں ان کے کسی کام سے نہ روکے، میں نے عرض کی: ہم میں سے کچھ لوگ لکیریں کھینچتے ہیں۔ آپنے فرمایا: سابقہ انبیاء میں سے ایک نبی لکیریں کھینچا کرتے تھے تو جس کی لکیریں ان کے موافق ہو جائیں وہ تو صحیح ہو سکتی ہیں، لیکن اب اس کا جاننا مشکل ہے۔ معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے کہا: میری ایک لونڈی تھی جو احد اور جوانیہ کے اطراف میں میری بکریاں چراتی تھی، ایک دن میں اس طرف جا نکلا تو بھیڑیا

اس کی بکری لے جا چکا تھا، میں بھی بنی آدم میں سے ایک آدمی ہوں، مجھے بھی اسی طرح افسوس ہوتا ہے جس طرح ان کو ہوتا ہے مجھے صبر کرنا چاہیے تھا لیکن میں نے اسے زور سے ایک تھپڑ جڑ دیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپنے میری اس حرکت کو میرے لیے بڑی غلطی قرار دیا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں اسے لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: "اللہ کہاں ہے؟، اس نے کہا: آسمان میں۔ آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟، اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اسے آزاد کر دو، یہ مومنہ ہے

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ حدیث 1199)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- شروع اسلام میں نماز کے اندر بات چیت کرنا جائز تھا،

2- اگر کوئی شخص ناجائز کام کر رہا ہو تو اس کو گھورنا جائز ہے کہ اس کے گھورنے سے وہ اس کام کو ترک کر دیگا،

3- اس سے معلوم ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر کتنا رحم دل ہیں، کتنی شفقت فرمانے والے ہیں۔ بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے نرمی سے ان کو حکم شرع بیان کیا،

4- نماز کے اندر بات چیت کرنا ناجائز ہے نماز کو فاسد کرتا ہے بات چیت کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا،

5- نماز میں صرف تسبیحات تکبیرات قرآن کی تلاوت کا حکم ہے،

6- پیش گوئی کرنے والے کاہنوں پنڈتوں کے پاس جانا کہ وہ اس کو غیب کے بارے میں بتائیں یہ ناجائز حرام و کفر ہے،

7- بد شگونی لینا ناجائز ہے بد شگونی محض ایک وہم ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اگر کوئی کام کرنا ہو تو کر گزرے بد شگونی نہ لے،

8-زائچہ بنانا ناجائز ہے اگر کسی کا زائچہ صحیح ہو اس کی موافقت اسی پہلے یعنی نبی کے بنائے ہوئے والے علم سے ہو تو جائز ہے۔ مگر آج کل اس کا جاننا بہت مشکل ہے لوگوں نے اپنی طرف سے نہ جانے کیا کیا گھڑ لیا ہے،

9-اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کو معاف کر دینا چاہیے مخلوق خدا پر رحم کرنا چاہیے کے وہ بھی انسان ہے اس کو مارنا پیٹنا نہیں چاہیے،

10-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ عزوجل کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں، تو اس سے ثابت ہوا اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے،

11-اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کو آسمان میں ماننا یا اللہ عزوجل کے لیے کوئی جگہ مقرر کرنا یہ کفر ہے۔ اللہ کریم کو اگر آسمان میں مانا جائے تو اللہ کو جسم والا تسلیم کرنا پڑیگا۔ کیونکہ اللہ کے لیے مکان جہت ثابت کرتے ہی جسمانیت کے تمام پہلو غیر شعوری طور پر پیدا ہو جاتے ہیں اس طور پر کے،

1-اللہ خالق ہے اور آسمان مخلوق خالق ازل سے ہے اگر اللہ کو آسمان میں مانا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے، جب آسمان نہیں تھا تو اللہ کہاں تھا؟

2- آسمان میں اللہ کے ہونے کی تین صورتیں ہیں،

الف- اللہ عرش کے محاذات میں ہو گا

ب- آسمان سے متجاوز ہو گا،

ج- عرش سے کم ہو گا، اگر آسمان کے محاذات میں مانیں، تو آسمان چونکہ محدود ہے، اللہ عزوجل کا محدود ہونا لازم ائے گا، متجاوز مانیں تو اللہ کی تجزی لازم ائے گی، آسمان سے کم مانیں تو آسمان مخلوق ہے، اللہ خالق ہے، تو خالق سے مخلوق کو بڑا ہونا لازم آئے گا، جبکہ یہ تینوں صورتیں ناممکن محال ہیں۔،

3-اللہ عزوجل خالق ہے غیر محدود ہے آسمان مخلوق ہے جو کہ محدود ہے،

اگر اللہ کو آسمان میں مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا، کیا غیر محدود، محدود میں سما سکتا ہے؟،

4 - اگر اللہ کو حقیقتاً اسمان پر مانیں، تو آسمان اللہ کے لیے مکان ہو گا، اللہ مکین ہو گا، اور ضابطہ یہ ہے مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے اس عقیدہ سے اللہ اکبر والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا،

5 - اگر اللہ عزوجل کا آسمان پر ہونا مانیں تو جہت فوق لازم آئے گی اور جہت کو حد بندی لازم ہے اور حد بندی کو جسم لازم ہے، جبکہ اللہ جسم سے پاک ہے،

6 - اگر اللہ کو فوق آسمان مانیں تو آسمان اس کے لیے مکان ہو گا اور مکان مکین کو محیط ہوتا ہے جبکہ قرآن کریم میں ہے

وکان اللہ بکل شیء محیطا ترجمہ اللہ ہر چیز کو محیط ہے۔،

عبد القہر بن طاہر البغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

و اجمعوا علی انہ لا یجریہ مکان ولا یجری علیہ زمان، ۔ترجمہ، اس پر اجماع ہے کہ اللہ کو کسی مکان نے گھیرا نہیں ہے نہ اس پر زمان یعنی وقت کا گزر ہوتا ہے،

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

این اللہ تعالی فقال یقال لہ کان اللہ تعالی ولا مکان قبل ان یخلق الخلق و کان اللہ تعالی و لم یکن این ولا ولا خلق کل شیء،،

ترجمہ ۔، جب تم میں سے کوئی معلوم کرے اللہ کی ذات کہاں ہے؟، تو اس سے کہو اللہ وہیں ہے جہاں مخلوق کی تخلیق سے پہلے کوئی مکان نہیں تھا، صرف اللہ موجود تھا اور وہی اس وقت موجود تھا جب مکان نام کی مخلوق کی کوئی شیء نہیں تھی۔، صحیح مسلم کی اس روایت کو بنیاد بنا کر اس سے یہ عقیدہ نہیں بنایا جا سکتا ہے کہ اللہ آسمان پر ہے اس روایت کو محدثین نے معلول اور شاذ قرار دیا ہے، شرح فقہ اکبر مترجم صفحہ 196 پر ہے،

1 ۔ اس روایت کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں، یہ روایت مضطرب ہے،
2۔ حافظ ابن حجر اس کے اضطراب کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں،
وفی اللفظ مخالفتہ کثیرتہ
کہ متن حدیث کے لفظ میں بکثرت اختلاف پایا جاتا ہے،
3- امام بزار نے بھی اس کے اضطراب کی نشان دہی کرتے ہوئے یہی فرمایا حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے،۔
4- علامہ زاہد الکوثری نے بھی اس پر اضطراب کا حکم لگایا ہے،
5- نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتنے لوگ حاضر ہو کر ایمان لائیں ہیں لیکن کسی سے بھی یہ سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا جو اس حدیث میں ذکر ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے اس سوال کا ایمان کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ فقط باندی کا امتحان لینا مقصود تھا، کہ مشرک ہے یا موحدہ، خلاصہ یہ ہے کہ ایک شاذ اور معلول روایت سے عقیدہ کا استنباط نہیں کیا جا سکتا اور ایسی شاذ روایت کو بنیاد بنا کر اللہ عزوجل کو آسمان میں مان لینا گمراہیت ہے۔،
بالفرض اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال اللہ کہاں ہے ؟ اللہ کے مکان کے لیے نہیں بلکہ منزلت اور مرتبہ کے لیے ہو گا ،یعنی ہمارے اللہ کا مرتبہ کیا ہے یا یہ کے اللہ کے احکام و اوامر کا مکان کونسا ہے وغیرہ، خلاصہ کلام یہ ہے اللہ جہت مکان سے پاک ہے کوئی پوچھے اللہ کہاں ہے تو جواب میں یہ کہنا چاہیے هو موجد بلا مکان کہ اللہ عزوجل بغیر مکان کے موجود ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر شیطان آگ کا شعلہ کیوں ڈالنے آیا؟

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کی حالت میں تھے کہ ہم نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں تجھ سے اللہ کی پنا میں آتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: میں تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔ آپ نے یہ تین بار کہا اور آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا، گویا کہ آپ کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو نماز میں کچھ کہتے سنا ہے جو اس سے پہلے آپ کو کبھی کہتے نہیں سنا اور ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شعلہ لے کر آیا تھا تا کہ اسے میرے چہرے پر ڈال دے، میں نے تین دفعہ اعوذ باللہ منک" میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں" کہا، پھر میں نے تین بار کہا: میں تجھ پر اللہ کی کامل لعنت بھیجتا ہوں۔ وہ پھر بھی پیچھے نہ ہٹا تو میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اللہ کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح تک بندھا رہتا اور مدینہ والوں کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ حدیث 1211)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- نماز کی حالت میں شیطان پر لعنت کرنا جائز ہے،

2- نماز کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو پکڑا اس سے معلوم ہوا نماز میں ایسا فعل کرنا جس میں عمل قلیل ہو جائز ہے،

3- صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل و ادا کو دیکھا کرتے تھے، اور جب کوئی فعل آپ علیہ السلام کرتے جو پہلے کبھی نہ کیا ہوتا اس کے بارے میں صحابہ دریافت کرتے تھے،

4- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیزیں بھی دیکھ لیا کرتے تھے، جن چیزوں کو عام لوگ نہیں دیکھ سکتے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو دیکھا اور عام لوگ اس کو نہیں دیکھ سکتیں،

5- شیطان کے وار و حربے انبیاء علیہم السلام پر نہیں چلا کرتے اگر شیطان کوشش بھی کرتا ہے تو ناکام ہو جاتا یے،

6- جب شیطانی وسوسہ آئے تو اعذ باللہ پڑھ کر اللہ عزوجل کی پناہ مانگنا چاہیے،

7- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو شیطان کو پکڑ سکتے تھے، پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے نہیں پکڑا، سلیمان علیہ السلام کی حکومت جناتوں پر بھی تھی اور آپ نے دعاء فرمائی تھی کی مجھ جیسی حکومت کسی اور کو نہ ملے، جیسا کی قرآن نے اس کو بیان کیا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو نہیں پکڑا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی رعایت فرمائی،

8- اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے جب سلیمان علیہ السلام نے دعاء فرمائی تھی کے ایسی حکومت کسی کو نہ ملے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حکومت ماننا آپ کی دعاء کے مقبول ہونے کے خلاف ہے۔ یا تو دعاء مقبول نہیں ہوئی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حکومت نہ ملی،

9- اس کا جواب یہ ہے کے اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالات و معجزات کا جامع بنایا ہے، اور آپ کو جناتوں پر بھی حکومت دی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دعاء کرنا کے اس جیسی حکومت کسی کو نہ ملے یہ آپ کے ادوار تک ہے یا یہ ایک مدت تک ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شامل نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان کو نہ پکڑنا سلیمان علیہ السلام کی رعایت عاجزی و انکساری کے طور پر تھا،

10- اس روایت پر شیعہ حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا تھا عمر کو دیکھ شیطان بھاگ جاتا ہے۔

تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نماز کی حالت میں شیطان کیسے آگیا ؟،یعنی حضرت عمر کو دیکھ کر بھاگ جائے اور نبی کو دیکھ کر نہ بھاگے،؟،

10-اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شیطان دیکھ کر بھاگ جاتا ہے کا معنی ہے دینی معاملات میں حضرت عمر کی شدت دیکھ دیکھ کر شیطان مایوس ہو جاتا ہے ان کو وسوسہ نہیں ڈالتا یا اس کے وسوسے حضرت عمر پر کام نہیں کرتے جس وجہ سے وہ مایوس ہو کر چلا جاتا ہے، اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے حضرت عمر کو دیکھ کر بھاگنے والے شیطان عام شیطان ہوتا ہے، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شیطانوں کا سردار ابلیس ملعون آیا تھا لہذا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا،

11-اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا ہے شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے مگر تم انہیں نہیں دیکھ سکتے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو کیسے دیکھا؟،

12-اس کا جواب یہ ہے یہ آیت عام لوگوں کے متعلق ہے کہ شیطان کو عام لوگ نہیں دیکھ سکتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں میں شامل نہیں یعنی یہ آیت ہمارے لیے ہے کہ ہم شیطان کو نہیں دیکھ سکتے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے وہ قوت عطا فرمائی ہے جس کے ذریعے سے آپ شیطان کو دیکھ سکتے ہیں، اور پکڑ بھی سکتے ہیں،

13-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شیطان کو پکڑا تو آپ علیہ السلام کا دھیان نماز کی حالت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء کی طرف گیا اس سے معلوم ہوا نماز کی حالت میں اگر دھیان کہیں اور چلا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی،

14-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شیطان کو باندھ دیتا، شیطان تو نظر نہ آنے والی مخلوق ہے، تو نظر نہ آنے والی مخلوق کو کیسے باندھا جا سکتا ہے ؟

15-اس کا جواب یہ ہے جب شیطان کسی جانور یا انسان کی شکل میں آتا ہے تو جس کا روپ اختیار کیا ہے اس کے لوازمات بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں جس وجہ سے اس کو پکڑا جا سکتا ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو دیکھنے پکڑنے پر بھی قادر ہیں جن چیزوں کو ہم عام لوگ دیکھ پکڑ نہیں سکتے اللہ عزوجل نے آپ کو یہ قدرت و اختیار دیا ہے لہذا کوئی اعتراض نہیں،

نبی علیہ السلام نے منبر پر کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھائی جب کہ یہ مکروہ ہے؟

کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے منبر نبوی کے بارے میں میں بحث کی تھی کہ وہ کس لکڑی سے بنا ہے؟ سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کس لکڑی کا بنا اور اسے کس نے بنایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے دن اس پر بیٹھے تھے، میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ ابو حازم نے کہا: ابو عباس! پھر تو آپ ہمیں اس کی تفصیل بتائیے۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا۔ ابو حازم نے کہا: وہ اس دن اس کا نام بھی بتارے تھے اور کہا، اپنے بڑھئی غلام کو دیکھو اور کہو وہ میرے لیے لکڑیاں جوڑ کر منبر بنا دے تا کہ میں اس پر سے لوگوں سے گفتگو کیا کروں۔ تو اس نے یہ تین سیڑیاں بنائیں، پھر رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم دیا اور اسے اس جگہ رکھ دیا گیا اور یہ مدینہ کے جنگل کے درخت جھاؤ کی لکڑی سے بنا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ اس پر کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی، لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے تکبیر کہی، جبکہ آپ منبر ہی پر تھے، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اٹھے اور الٹے پاؤں نیچے اترے اور منبر کی جڑ میں جہاں وہ رکھا ہوا تھا سجدہ کیا، پھر دوبارہ وہی کیا منبر پر کھڑے ہو گئے حتی کہ نماز پوری کر کے فارغ ہوئے، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: لوگوں! میں نے یہ کام اس لیے کیا ہے تا کہ تم مجھے دیکھتے ہوئے میری پیروی کرو اور میری نماز سیکھ لو۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 1216)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1 دینی مسائل میں کسی مسئلہ کے حل کے لیئے آپس میں بحث کرنا جائز ہے,

2- جس مسئلہ کے حل کے لیے بحث کی جارہی ہو اور اس میں اگر کوئی صاحب علم اس مسئلہ کو جانتا ہو تو اس کو اس مسئلے کو بیان کر دینا چاہیے،

3-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر پاک لکڑی کا بنا ہوا تھا،

4-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک کی تین سیڑیاں تھی،

5-اس منبر مبارک پر سے نبی کریم خطاب فرمایا کرتے لوگوں سے مخاطب ہوا کرتے۔ یہی وجہ ہے مساجد میں عام طور پر منبر کی تین سیڑیاں ہوتی ہیں اور خطیب حضرات اس منبر سے خطاب کیا کرتے ہیں اور ان کا یہ عمل سنت ہے،

6-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی، اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے امام اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر نما پڑھائے تو تو جائز ہے،

7-اسی طرح مقتدی امام سے اونچی جگہ کھڑیں ہوں تو یہ بھی جائز ہے،

8- نماز میں عمل قلیل کرنا جائز ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے منبر پر چڑے تکبیر کہی اور سجدہ کرنے کے لیے اس پر سے اترے اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا، یہ عمل قلیل ہے اور عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی،

9-اگر مجموعی طور پر عمل کثیر ہو مگر ہر رکن میں عمل قلیل ہو تو نماز فاسد نہیں ہو گی۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر رکعت میں منبر سے اتر کر اس کی جڑ میں سجدہ کرنا یہ عمل قلیل ہے، اور مجموعی طور پر کے ہر رکعت میں آپ نے ایسا کیا اترنا چڑنا عمل کثیر ہے، و لہٰذا عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ وہ عمل مجموعی طور پر عمل کثیر کیوں نہ ہو،

10- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کو دیکھ پڑھ سن کر اس پر عمل کرنا لازم اور نماز کو اسی طرح ادا کرنا ہم پر لازم ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو ادا کیا،

11- واضح رہے امام بلند مقام پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو. یہ مکروہ ہے، اور مقتدی اگر امام سے بلند جگہ پر ہوں تو یہ بھی مکروہ ہے، بلند مقام سے مراد ایک ذراع سے زیادہ ہو جس سے امام و مقتدی میں الگ ہی امتیاز نظر آتا ہو تو مکروہ ہے، ہاں اگر آگے کی صفیں امام کے ساتھ ہوں اور پیچھے کی بلند ہوں تو کراہت نہیں،

12- اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے جب تنہا امام کا بلند کھڑے ہونا مکروہ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھائی ؟،

13- اس کا جواب یہ ہے یہ نماز فرض نہ تھی بلکہ نفل نماز تھی اور نفل نماز میں وسعت ہوا کرتی ہے، اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے منبر پر کھڑے ہو کر اس لیے پڑھائی تاکہ دیکھنے والوں کو اچھی طریقہ سے نماز کے ارکان دکھ جائیں یعنی تعلیم و تربیت کے لیے تھی،

14- نیک اور جائز کام کا افتتاح نماز سے کرنا چاہیے کہ جب وہ منبر بن کر آگیا تو اس کا افتتاح نبی کریم صلی اللہ نے اس پر نماز ادا فرما کر کیا،

15- نماز کی حالت میں ضرورت کے طور پر ایک دو قدم چلنا جائز ہے

حدیث کے مقابل قیاس آجائے تو قیاس کو ترک کردیا جائے گا

حاتم بن اسماعیل نے ابو حزرہ یعقوب بن مجاہد سے، انھوں نے ابن ابی عتیق عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق سے روایت کی، کہا: میں نے اور قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھے ہوئے گفتگو کی۔ قاسم زبان کی شدید غلطیاں کرنے والے انسان تھے، وہ ایک کنیز کے بیٹے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کہا: کیا بات ہے تم میرے اس بھتیجے کی طرح کیوں گفتگو نہیں کرتے؟، ہاں، میں جانتی ہوں تم میں یہ بات کہاں سے آئی ہے، اس کو اس کی ماں نے ادب گفتگو کا طریقہ سکھایا اور تمھیں تمھاری ماں نے سکھایا۔ اس پر قاسم ناراض ہو گئے اور ان کے خلاف دل میں غصہ کیا، پھر جب انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دستر خوان آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کہاں جاتے ہو؟

انھوں نے کہا: میں نماز پڑھنے لگا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ انھوں نے کہا: میں نے نماز پڑھنی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بیٹھ جاؤ، دھوکے باز! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کھانا سامنے آجائے تو نماز نہیں۔ اور نہ وہ شخص نماز پڑھے جس پر پیشاب پاخانہ کی ضرورت غالب آرہی ہو،

(صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 1246)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1 - ماں باپ کی تربیت کا اثر اولاد سے ظاہر ہوتا ہے، اگر اچھے ادب سکھایا تو وہ ادب والا نظر آتا ہے ورنہ بدتمیز اس لیے اولاد کی اچھی و بہتر تربیت کرنا چاہیے اس کو اچھے اخلاق سکھانا چاہیے،

2 - دستر خوان لگا دیا جائے اور کوئی اٹھ کر جانے لگے تو اس کو کھانے کے لیے بٹھانا چاہیے،

3 - دستر خوان لگنے کے بعد کوئی جانے لگے تو اس سے جانے کی وجہ پوچھنا جائز ہے اگر ضروری کام ہو تو جانے دیا جائے ورنہ کھانے کے لیے بٹھایا جائے،

4 - کھانا سامنے آجائے تو پہلے کھانا کھانا چاہیے اگرچہ جماعت کا وقت ہو گیا ہو، ہاں اگر نماز کا وقت نکل رہا ہو تو پہلے نماز ادا کی جائے،

5 - اس روایت میں اس بات کی بھی دلیل ہے قیاس سے دلیل پکڑنا جائز ہے،

6 - اس روایت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ قیاس کے مقابل حدیث آجائے تو قیاس کو ترک کر دیا جائے گا، جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید آئی ہے۔ قیاس پر عمل کرتے ہوئے جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے حضرت قاسم اٹھ کھڑے ہوئے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم کی حدیث سنائی کے جب کھانا آجائے تو پہلے کھانا کھایا جائے، یہاں قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا،

7 - جس انسان کو شدید پیشاب پاخانہ لگا ہو تو پہلے وہ اس سے فارغ ہو پھر نماز ادا کرے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

منہ سے بو آتی ہو تو مسجد میں جانا حرام ہے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لہسن یا پیاز کھایا وہ ہم سے دور رہے یا ہماری مسجدوں سے دور رہے اور اپنے گھر بیٹھے, اور ایسا ہوا کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہانڈی لائی گئی جس میں کچھ سبز ترکاریاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ بو محسوس کی تو اس کے متعلق پوچھا۔ آپ کو ان ترکاریوں کے بارے میں بتایا گیا جو اس میں ڈالی گئی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے، اپنے ساتھیوں میں سے ایک کے پاس لے جانے کو کہا۔ انہوں نے بھی اسے دیکھ کر آپ علیہ السلام کی ناپسندیدگی کی بنا پر اس کو ناپسند کیا تو آپ نے فرمایا: "تم کھا لو کیونکہ میں ان سے سرگوشی کرتا ہوں جن سے تم سرگوشی نہیں کرتے ہو۔ اس سے فرشتے مراد ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 1253)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- لہسن پیاز یا کوئی بھی ایسی چیز جس کے کھانے کے بعد منہ سے بدبو آتی ہو اس کو کھاکر مسجد میں جانا جائز نہیں،

2- جن چیزوں میں بو آتی ہے وہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں،

3- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا و فعل کو صحابہ دیکھتے تھے اور اس پر عمل کیا کرتے تھے وہ ترکاری جن میں بو آرہی تھی صحابی کے پاس لائی گئ تو انہوں نے اس لیے پسند نہیں فرمایا کے نبی کریم صلی اللہ علیہ اسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا تھا،

4- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے باتیں کیا کرتے تھیں اسی وجہ سے آپ نے ان ترکاریوں کو نہیں کھایا مگر صحابی کو کھانے کا حکم فرما دیا کہ صحابہ اس مخلوق سے بات نہیں کرتے جس مخلوق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں اس لیے ان کے کھانے میں حرج نہیں تھا۔

5-بو والی چیز سے فرشتوں کو تکلیف ہوا کرتی ہے،
6-منہ میں بو ہو تو ایسے شخص کو مسجد میں جانا حرام ہے اپنے گھر میں نماز ادا کرے یا پھر منہ کی بو کو زائل کرکے مسجد میں جائے،

آپ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود نماز میں رکعت کیوں بھول گئے تھیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ ابراہیم نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کمی یا زیادتی کر دی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ سے عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! کیا نماز میں کوئی نئی چیز تبدیلی آگئی ہے؟ آپ نے پوچھا: وہ کیا؟ صحابہ نے عرض کی: آپ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھائی ہیں۔ راوی نے کہا: آپ نے اپنے پاؤں موڑے، قبلہ کی طرف رخ کیا اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا، پھر آپ نے ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا: اگر نماز میں کوئی نئی بات ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتا، لیکن میں ایک انسان ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، اس لیے جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہو جائے تو وہ صحیح کی جستجو کرے اور اس کے مطابق نماز کی تکمیل کرے، پھر سہو کے دو سجدے کر لے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 1274)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- نماز میں رکعت کی تعداد کم یا اضافہ ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ اسی نماز کو درست کیا جا سکتا ہے، اب یہ درست کرنا سجدہ سہو سے ہو یا کسی اور طریقہ سے یا رکعت کا اضافہ کر کے ہو،
2- نماز میں کوئی کمی یا زیادتی ہو تو مقتدی حضرات کا امام کو بتانا جائز ہی نہیں بلکہ لازم ہے تاکہ نماز درست طریقہ سے ادا ہو سکے،

3-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نماز میں بات کیا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت نماز میں جو کوئی بھی بات کرے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی،

4-آپ علیہ السلام نے چار رکعت کی جگہ پانچ رکعت پڑھائی صحابہ کے بتانے پر آپ نے سہو کے دو سجدہ کیے۔، واضح رہے پانچ رکعت اگر پڑھ لی اور چوتھی پر قاعدہ کیا تھا تو اب سجدہ سہو کر کے نماز سلام پھیرنے پر نماز ہو جائے گی۔ مگر ایک رکعت اور ملا لے تو یہ بعد کی دو رکعت نفل ہو جائیں گی اور شروع کی چار رکعت فرض اور اگر چوتھی پر قاعدہ نہیں کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی،

5-اگر نماز میں کوئی غلطی ہو جائے واجب چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی،

6-اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے جس وجہ سے نماز میں کمی زیادتی ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عام انسانوں کی طرح بھولا کرتے ہیں،

7-اس کا جواب یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھولنا عام انسانوں کی طرح نہیں ہے آپ علیہ السلام حالت نماز میں اللہ کی یاد میں اتنا مستغرق ہوگئے تھے کی تعداد رکعت کی طرف توجہ نہ رہی جب کہ عام انسانوں کا بھولنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں مستغرق ہو جاتا ہے اور نماز کو بھول جاتا ہے۔ تو ظاہر ہوا نبی کریم کا بھولنا ہم عام انسانوں کی مثل نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ عزوجل کی یاد میں کسی چیز سے توجہ ہٹا لیتے ہیں، جب کہ ہم کسی چیز کی وجہ سے اللہ کی طرف سے توجہ ہٹا لیتے ہیں۔

8-اس کا دوسرا جواب یہ ہے آپ بھلا دیے گئے تھے تا کہ سجدہ سہو کا طریقہ امت کو سکھا سکیں،

9-اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے سجدہ سہو کا طریقہ تو آپ علیہ السلام بول کر بھی بتا سکتے تھے پھر طریقہ کی کیا ضرورت تھی؟۔

10-اس کا جواب یہ ہے سجدہ سہو کا طریقہ بول کر بھی بتایا جا سکتا تھا، مگر جب ہماری نمازوں میں قیامت تک کمی ہوتی تو ہم کس کے طریقہ کے مطابق اپنی نمازوں کی کمیاں دور کرتے ہماری نمازوں کو کس کے دامن میں پناہ ملتی کہ یہ طریقہ ہے کمی دور کرنے کا نماز میں کمی ہو جائے تو اس طریقہ کے مطابق اس کمی کو دور کیا جائے، یعنی آپ کے بتانے پر معلوم تو ہو جاتا، مگر آپ کا طریقہ ہم سے رہ جاتا اس لیے آپ علیہ السلام نے سہو کے دو سجدے کیے اور ہمیں وہ طریقہ سکھایا اور قیامت تک ہماری نمازوں کی کمی اس طریقہ کے مطابق دور ہوں گی جو طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہماری نمازوں کو پناہ اسی طریقہ کے دامن میں مل گئی،

11-واضح رہے نبی علیہ السلام کا بھولنا جائز ہے مگر یہ بھولنا تبلیغی احکام میں نہیں ہے تبلیغی احکام میں آپ کچھ نہیں بھولتے یعنی کسی کو رشد و ہدایت کرتے وقت کسی کو غلط بات نہیں بتاتے اور اس وقت نہ آپ بھولتے ہیں، بعض مقامات دنیاوی یا عبادت پر جہاں آپ بھولتے ہیں تو آپ خود نہیں بھولتے بلکہ بھلا دیے جاتے ہیں، جس وجہ سنت قائم ہوتی ہے۔ اور پھر اس سے آگاہ کر دیا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہو تو سنت قائم ہوتی ہے،

عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنِّي لَأَنْسَى أَوْ أُنَسَّى لِأَسُنَّ»

ترجمہ: امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تا کہ اپنی امت کے لیے سنت قائم ہو،

12-جب نماز مکمل ہو جائے تو دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرا جائے،

13- جب سہو کے سجدے کیے جائیں تو سلام پھیرا جائے پھر سہو کے دو سجدے کیے جائیں،

14- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے رخ پھیر کر صحابہ کی جانب کیا بات چیت کر کے پھر کعبہ کی طرف رخ کر لیا اور سہو کے دو سجدے کیے۔ اس سے معلوم ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے مکمل ہونے میں کعبہ کے محتاج نہیں ہیں یعنی کعبہ سے رخ پھیرا جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور حق تو یہ ہے آپ کعبہ کے محتاج نہیں ہیں بلکہ کعبہ خود کعبہ ہونے میں آپ کا محتاج ہے،

15- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری طرح بشر ہوں اس سے معلوم ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں مگر نوری بشر ہیں افضل البشر ہیں خیر البشر ہیں، جو آپ علیہ السلام کو اپنی طرح بشر مانے وہ گمراہ و بدمذہب ہے،

16 - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز میں شک ہو تو صحیح کی جستجو کرے اور نماز مکمل کرے نماز میں شک ہو تو، چاہے وہ رکعت یا کسی بھی اعتبار سے ہو اس کو صحیح کرنے کی جستجو کرے اور نماز کو اس کے صحیح حق کے ساتھ مکمل کرنا واجب ہے،

عذاب قبر ہونے کے متعلق حضرت عائشہ نے یہودی بوڑھیوں کو کیوں جھٹلایا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مدینہ کے یہودیوں کی بوڑھی عورتوں میں سے دو بوڑھیاں میرے گھر آئیں اور انھوں نے کہا: قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ میں نے ان دونوں کو جھٹلایا اور ان کی تصدیق کے لیے ہاں تک کہنا گوارا نہ کیا، وہ چلی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس مدینہ کی بوڑھی یہودی عورتوں میں سے دو بوڑھیاں آئی تھیں، ان کا خیال تھا کہ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں نے سچ کہا تھا۔ قبروں میں ان کافروں، گناہ گاروں کو ایسا عذاب ہوتا ہے کہ اسے مویشی بھی سنتے ہیں، اس کے بعد میں نے آپ کو دیکھا آپ ہر نماز میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 1321)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- یہود سے میل جھول جائز ہے،

2- یہود یا دیگر مذہب کے لوگ کوئی دینی بات کریں تو ان کی اس وقت تک تصدیق نہ کی جائے جب تک کہ یہ علم حاصل نہ ہو جائے کے یہ صحیح ہے اور ہماری شریعت میں ایسا حکم ہے،

3- جب کوئی نئ دینی بات سنیں کہ جس کا ہمیں علم نہ ہو تو علماء حضرات سے ملاقات کر کے اس مسئلہ کو معلوم کیا جائے جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللی علیہ وسلم سے دریافت کیا،

4- قبر میں قبر والوں کو ان کے گناہ کے سبب عذاب ہوتا ہے،

5- اس روایت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قبر میں عذاب نہیں ہوتا،

6-اس روایت میں اہلسنت کے مسلک کی تائید و تقویت ہے کہ ہم اہلسنت یہ مانتے ہیں گناہ کے سبب قبر میں عذاب ہوتا ہے،

7-قبر کے عذاب کو جانور سنتے ہیں،

8-ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگنا چاہیے،

9-اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے جب قبر میں عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان بڑھیوں کی تکذیب کیوں کی؟

10-اس کا جواب یہ ہے قبر میں عذاب ہوگا اس کا علم حضرت عائشہ کو نہیں تھا اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم عطا کیا گیا تھا یہی وجہ تھی حضرت عائشہ نے ان کی تکذیب کر ڈالی بعد میں وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم عطا کیا گیا کے قبر میں عذاب ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں اس بات کا علم عطا کیا گیا تھا اس بات کی تائید اس باب کی اس سے پہلی والی روایت سے ہوتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے جبکہ میرے پاس ایک یہودی عورت موجود تھی اور وہ کہہ رہی تھی: کیا تمہیں پتہ ہے کہ قبروں میں تمہارا امتحان ہوگا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوفزدہ ہو گئے اور فرمایا: صرف یہودی کی آزمائش ہوگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا: کچھ دن گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ چلا مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے-(صحیح مسلم حدیث1319)

11-ابھی جو روایت ہم نے نقل کی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے۔ جب قبر میں مسلمانوں کو بھی آزمایا جائے گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کے قبر میں صرف یہود کو آزمایا جائے گا جبکہ آزمائش تو مسلمان کے ساتھ بھی ہوگی، تو کیا نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا معاذ اللہ جھوٹ نہیں کے صرف یہود کو آزمایا جائے گا؟
12- اس کا جواب یہ ہے جھوٹ اسے کہا جاتا ہے جب کوئی شخص کوئی بات جان بوجھ کر خلاف واقع بات کہے تو وہ جھوٹ کہلاتا ہے۔ اور جسے کسی بات کا علم نہ ہو اور خلاف واقع بات کہنے کا قصد بھی نہ ہو تو وہ جھوٹ نہیں ہوتا۔ اور ہم ذکر کر آئیں ہیں کے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں علم عطا کیا گیا تھا اور آپ کا علم ہمیشہ بڑھتا رہا ہے، لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں

نماز کے لیے جگہ معین کرنا منع ہے تو صحابی نے نماز کے لیے جگہ معین کیوں فرمائی؟

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری نظر خراب ہو گئی ہے، میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں اور جب بارشیں ہوتی ہیں تو میرے اور ان کے درمیان والی وادی میں سیلاب آجاتا ہے، اس کی وجہ سے میں ان کی مسجد میں نہیں پہنچ سکتا کہ میں انھیں نماز پڑھاؤں تو اے اللہ کے رسول! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور نماز پڑھنے کی کسی ایک جگہ پر نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مستقل طور پر جائے نماز بنالوں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا۔ عتبان رضی اللہ عنہ نے کہا: تو صبح کے وقت دن چڑھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی، میں نے تشریف آوری کا کہا، آپ آکر بیٹھے نہیں یہاں تک کہ گھر کے اندر کے حصے میں داخل ہوئے، پھر پوچھا: تم اپنے گھر میں کس جگہ چاہتے ہو کہ میں وہاں نماز پڑھوں؟ میں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، آپ نے دو رکعتیں ادا فرمائیں، پھر سلام پھیر دیا۔ اس کے بعد ہم نے آپ کو گوشت کے چھوٹے

ٹکڑوں سے بنے ہوئے کھانے کے لیے روک لیا جو ہم نے آپ کے لیے تیار کیا تھا۔ عتبان رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا سن کر اردگرد سے محلے کے لوگ آ گئے حتیٰ کہ گھر میں خاصی تعداد میں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے ایک بات کرنے والے نے کہا: مالک بن دخشن کہاں ہے؟ ان میں سے کسی نے کہا: وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای اس کے بارے میں ایسا نہ کہو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے لا الہ الا اللہ کہا ہے؟ عتبان رضی اللہ عنہ نے کہا: تو لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ اس الزام لگانے والے نے کہا: ہم تو اس کی وجہ اور اس کی خیر خواہی منافقوں ہی کے لے دیکھتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو آگ پر حرام قرار دیا ہے جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور اس کے ذریعے سے اللہ کی رضا کا طلب گار ہے، (صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 1496)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- ان صحابی کی آنکھ میں خرابی تھی جس سے معلوم ہوا نابینا شخص کا امام بننا جائز ہے مگر جو نابینا نہ ہو اس کا امام بننا ہی افضل و اعلیٰ ہے کہ وہ پاکی کے احکام آسانی و صحیح طریقہ سے انجام دے سکتا ہے،

2- تیز بارش کے جس وجہ سے مسجد تک نہ جایا جا سکے یا راستے میں پانی بھر آیا ہو یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے جماعت ترک کرنا جائز ہے،

3- گھر میں کسی جگہ کو مسجد بنانا جائز ہے کہ جہاں نماز ادا کی جاتی رہے،

4- گھر میں جس جگہ کو مسجد بنایا گیا ہو وہ مسجد، فقہی مسجد نہیں کہلاتی اور نہ ہی وہ اس کے مالک کی ملک سے نکلتی ہے،

5- جس جگہ بزرگوں نے عبادت کی ہو یا جہاں وہ تشریف فرما ہوں وہ جگہ برکت کا

سبب ہوا کرتی ہے، اسی لیے صحابی نے اسی جگہ کو نماز کے لیے مقرر کیا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی،
6-اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ صحابی نے عرض کی میں اس جگہ کو نماز کے لیے مقرر کرلوں گا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرمائیں گے اس سے معلوم ہوا نماز کے لیے کوئی خاص جگہ مقرر و معین کرنا جائز ہے،
7-اس کا جواب یہ ہے نماز کے لیے جگہ معین کرنا گھر میں جائز ہے مسجد میں نہیں، دوسرا جواب یہ ہے مسجد میں جگہ معین کرنا اس لیے منع ہے تاکہ دوسروں کو پریشانی نہ ہو ورنہ جگہ معین کرنا جائز ہے، تیسرا جواب یہ ہے مسجد میں جب کوئی جگہ معین کرے گا تو یہ فسادات و جھگڑوں کا سبب بنے گا کہ یہ جگہ میری معین کردہ ہے اس طرح مسجد کا تقدس وادب پامال ہوگا اس لیے جگہ معین کرنا منع ہے جب کہ گھر میں معین کرنے میں ان سب خرابی وفسادات ہونے کا کوئی مطلب نہیں اس لیے گھر میں جگہ معین کرنا جائز ہے،
8-کسی بھی نیک و جائز کام سے پہلے ان شاء اللہ کہنا چاہیے کہ اس روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا،
9-دعوت قبول کرنا سنت ہے کہ ان صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر تشریف لانے کی دعوت دی تو آپ نے قبول فرمایا اور تشریف لائے،
10-اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کتنے مقبول ہیں، اور آپ علیہ السلام حضرت ابو بکر سے کتنی محبت کرتے ہیں کہ ان صحابی کے گھر حضرت ابو بکر کو ساتھ لیکر گئے،
11-اس روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی و انکساری کا پتا چلتا ہے کہ صحابی نے آپ کو آنے کی دعوت دی تھی پھر بھی گھر کے اندر آنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب فرمائی، باہر سے آنے والا شخص اندر جانے کی اجازت طلب کرے،

12- نفل نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل نماز جماعت سے پڑھائی اور صحابہ نے پڑھی،
13- دن کے نفل دو دو ہیں اور دو دو رکعت کر کے ادا کرنا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نفل پڑھائی،
14- کسی نیک مرد صالح کی دعوت کر کے اس کو اپنے گھر کا مہمان بنانا کہ اس سے تبرک حاصل کرے گا جائز ہے،
15- عذر کی بنا پر گھر میں نماز ادا کرنا جائز ہے،
16- پیر صاحب عالم یا مفتی صاحب کے ساتھی اگر ان کے ساتھ نفل نماز نہ ادا کریں بلکہ باتوں میں مشغول رہیں تو جائز ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نماز میں تھے صحابہ باتوں میں مشغول تھے،
17- اگر نماز پڑھنے والا باہر کے لوگوں کی باتیں سن رہا ہو اور نماز کے بعد ان کی باتوں کے متعلق کچھ کہے تو یہ نماز کے خشوع کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی علیہ السلام نے نماز میں صحابہ کی باتیں سنی اور سلام کے بعد اس کا جواب دیا،
18- اگر کسی شخص پر تہمت لگائی جائے اور وہ بات اس کے اندر نہ ہو تو ضروری ہے اس تہمت کا ازالہ کیا جائے،
19- فاسق و فاجر کا فسق بیان کرنا جائز ہے تاکہ لوگوں کو نقصانات سے بچایا جا سکے،
20- ظاہری طور پر جو کلمہ پڑھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہو تو اس کو منافق یا کافر نہیں کہا جائے گا یہاں تک کے اس کا کفر یا نفاق ظاہر ہو جائے ورنہ وہ مسلمان سمجھا جائے گا باطن کا حال اللہ کو معلوم ہے،
21 کلمہ پڑھنے والا اللہ کو ایک واحد اور نبی کی نبوت کا اقرار کرنے والا جنت میں جائے گا،

22-اگر کوئی کلمہ پڑھتا ہے مسلمان ہے مگر حرام کام کرتا ہے گناہ کبیرہ کرتا ہے تو اس سے وہ کافر نہیں ہو گا،

23-کافر مرتد کے لیے بد دعاء کرنا جائز ہے اس پر کوئی آفت آجائے اس میں وہ مبتلا ہو جائے یہ خواہش رکھنا جائز ہے،

24-حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا اس حدیث کو لکھ لو تو انہوں نے لکھ لی صحابہ احادیث کو لکھا کرتے تھے لکھ کر محفوظ کرلیا کرتے تھے جن احادیث میں احادیث لکھنے کو منع فرمایا گیا ہے وہ ابتداء میں منع تھا بعد میں نہیں، واضح ہو یہ روایت دوسرے مقام پر بھی مذکور ہے صحیح مسلم میں، جس میں حضرت انس لکھنے کا حکم فرماتے ہیں اس لیے اس کو ہم نے یہاں ذکر کر دیا،

25-کسی نیک صالح انسان سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے،

26-کسی نیک صالح انسان سے تبرک حاصل کرنے کے لیے اگر کوئی دعوت کرے تو اس کو قبول فرما کر اس کے گھر جانا جائز ہے جبکہ تکبر نہ ہو،

27-نیک لوگوں کی آمد پر انکی زیارت کرنے برکت حاصل کرنے کے لیے جمع ہونا جائز ہے، جیسے کہ اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے لوگ جمع ہو گئے تھے،

28-گمرہ و منافق لوگوں سے میل جھول جائز ہے واضح رہے یہ میل جھول دنیاوی طور پر جائز ہے کہ اس دنیا میں ایک کا کام دوسرے سے جڑا ہوتا ہے جس کے لیے ملنا پڑتا ہے اس لیے ضرورتاً جائز ہے، ورنہ ان سے دلی محبت رکھنا یا دوستی رکھنا دلی محبت کے طور پر میل جھول رکھنا جائز نہیں،

29-اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے صرف لا الہ الا اللہ کہنے والا بھی جنت میں جائے گا اگرچہ وہ پورا کلمہ نہ ہڑھتا ہو جیسا کی اس روایت میں صرف لا الہ الا اللہ کا ذکر آیا ہے،

30-اس کا جواب یہ ہے یہاں جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے جیسا کی ہم کہے چائے تو اس چائے سے مراد پانی دودھ پتی اور اس میں ڈالنے والی میٹھی چیز یہ سب چیز مراد ہوتی ہیں یا یہ کہا جائے الحمد پڑھیں تو اس کا مطلب صرف الحمد پڑھنا نہیں ہوتا بلکہ پوری سورہ فاتحہ مراد ہوتی ہے جز بول کر کل مراد لیا جاتا ہے،

دوسرا جواب یہ ہے کلمہ طیبہ کا بطور علم لا الہ الا اللہ ہے جیسے سورہ فاتحہ کا علم الحمد یا سورہ فاتحہ ہے یا سورہ اخلاص کا علم قل ھو اللہ ہے اور ان سب صورتوں میں کل مراد ہوتا ہے،

31- مہمان کا میزبان کی امامت کرنا جائز ہے،

کیا نبی علیہ السلام کا کفار کی ھلاکت، ان پر لعنت کرنا رحمتہ اللعالمین ھونے کے خلاف ھے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کی قرأت سے فارغ ہوتے اور رکوع میں جانے کے لیے تکبیر کہتے تو سر اٹھانے کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کہتے، پھر حالت قیام ہی میں آپ فرماتے: اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور مومنوں میں سے ان لوگوں کو جنھیں کافروں نے کمزور پایا، نجات عطا فرما۔ اے اللہ! قبیلہ مضر پر اپنے روندنے کو سخت کر، ان پر اپنے اس مؤاخذے کو یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کی طرح کر دے اللہ! لحیان، رعل، ذکوان اور عصیہ پر، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، لعنت نازل کر۔ پھر ہم تک یہ بات پہنچی کہ اس کے بعد جب آپ پر یہ آیت اتری:" لیس لک،، کہ آپ کا اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں، اللہ تعالیٰ چاہے ان کو توبہ کا موقع عطا کرے، چاہے ان کو عذاب دے کہ وہ یقیناً ظلم کرنے والے ہیں، تو آپ نے یہ دعا چھوڑ دی۔(صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 1540)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1-کتاب اللہ سے سنت کا منسوخ ہونا جائز ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء قنوت پڑھی فجر میں پھر اس کو منسوخ کر دیا گیا،

2-وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت پڑھنا جائز نہیں،

3-اگر کوئی حادثہ عظیم ہو جائے یا مسلمانوں کو کثیر تعداد میں شہید کر دیا جائے یا کوئی بڑی وبا نازل ہو جائے تو فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھنا جائز ہے،

4-اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ لعنت کے معنیٰ اللہ کی رحمت سے دور ہو جانا ہے اور کسی زندہ کافر پر بھی نام لیکر لعنت کرنا جائز نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیکر لعنت کیوں فرمائی؟،

5-اس کا جواب یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء نام لیکر لعنت کرنے کی اجازت دی گئ تھی پھر بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا،

6-اس روایت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی کرتے ہیں وحی سے کرتے ہیں تو پھر قرآن نے کیوں منع فرمادیا کہ آپ اس کے مالک نہیں یعنی لعنت کرنے سے منع کیوں فرمایا؟،

7-اس کا جواب یہ ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں وحی الہی سے کہتے ہیں، اور یہاں بھی وحی کے بعد ہی لعنت کی یعنی از خود آپ نے لعنت نہ فرمائی آپ کو اس کی اجازت دی گئ تھی تو آپ نے لعنت فرمائی پھر اس کی اجازت کو منسوخ کر دیا گیا تو پھر آپ نے لعنت کرنا ترک کر دیا،

8-اس روایت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے جب وحی کے ذریعے لعنت کرنے کی اجازت مل گئ تھی تو پھر اللہ عزوجل نے آپ کو اس سے منع کیوں فرمادیا؟،

9-اس کا جواب یہ ہے بعض احکامات ایک مدت وقت تک کے لیے ہوتے ہیں انکی مدت وقت اللہ عزوجل جانتا ہے، اور اس احکام کے جاری فرمانے پھر اس کو منسوخ کرنے میں

کیا حکمت ہوتی ہیں یہ اللہ عزوجل بہتر جانتا ہے، اور اللہ عزوجل کو معلوم تھا ان میں سے بعض ایمان لائیں گے اور ایسا ہی ہوا ابو سفیان خالد بن ولید وغیرہ بعد میں ایمان لائیں اور اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا یہی وجہ تھی آپ نے قنوت پڑھنا بعد میں ترک کر دیا تھا،

10-اہل تنقیض اس روایت پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے مالک مختار نہیں ہیں کیوں کہ اللہ نے فرمایا لیس لک من الامر شیٔ، کہ آپ اس بارے میں مالک مختار نہیں ہیں، یہ آیات اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ مالک مختار نہیں ہیں،

11-اس کا جواب یہ ہے، یہ آیت اس پر ہر گز دلالت نہیں کرتی کہ آپ مالک مختار نہیں ہیں۔ بلکہ آیت کا معنی یہ ہے آپ علیہ السلام کفار کو توبہ پر مجبور کرنے یا ان کو عذاب دینے میں مالک نہیں ہدایت دینا یا عذاب دینا یا ان کو توبہ کی توفیق دیکر ان کی توبہ کو قبول کرنا اور اگر وہ کفر پر مر جائیں تو ان کو عذاب کرنا ان سب معاملات میں علی الاطلاق اللہ عزوجل ہی مالک و مختار ہے، یہ اس آیت کا مطلب ہے نہ کی وہ جو اہل تنقیض نے لیا ہے،

12-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی لیکن آپ کی دعاء قبول نہ ہوئی بلکہ آپ کو اس بارے میں منع کر دیا گیا اس سے معلوم ہوا نبی کی ہر دعاء قبول ہوتی ہے یہ کہنا غلط ہے،

13-اس کا جواب یہ ہے، یہ کہنا ہی غلط ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں دعا قبول نہ ہوئی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء قبول ہوئی تھی چونکہ جن لوگوں کے لیے آپ نے ہلاکت کی دعاء فرمائی تھی ان میں سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے تھے، رہا اللہ عزوجل کا دعاء سے روکنا تو وہ اس وجہ سے تھا اللہ عزوجل کو معلوم تھا اس میں بعض ہلاک ہوں گے اور بعض ایمان لائیں گے تو اگر آپ علیہ السلام دعاء فرماتے رہتے اور وہ لوگ ہلاک نہ ہوتے تو یہ کب ممکن تھا کی آپ کی دعاء قبول نہ ہو اس لیے اللہ نے آپ کو روک دیا اور ایسا ہی ہوا ان میں سے بعض ہلاک ہوئے اور بعض ایمان لے

مثلاً حضرت خالد بن ولید حضرت ابو سفیان وغیرہ،
14-اس روایت پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ اللعالمین ہیں آپ نے کفار کی ہلاکت کے لیے دعا ضرر فرمائی دعاء ضرر کرنا رحمت کے منافی ہے تو آپ کو رحمتہ اللعالمین کہنا کیسے صحیح ہو گا؟
15-اس کا جواب یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنی ذات کے لیے کسی کے لیے دعاء ضرر نہیں فرمائی۔ آپ نے اس وقت دعاء ضرر فرمائی جب کفار نے عبادات سے روکا مسلمانوں کو دکھ درد تکلیف دی لہذا ایسے موقع پر دعاء ضرر کرنا آپ کے رحمتہ اللعالمین ہونے کی نفی نہیں کرتا جیسے کوئی شخص گستاخ ہو یا مرتد ہو جائے آپ اس کو قتل کا حکم فرمادیں اور وہ قتل کر دیا جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ آپ کا یہ فرمان رحمت ہونے کے خلاف ہے بلکہ یہ کہا جائے گا اس نے گستاخی کر کے یا مرتد ہو کر خود اس نے اپنی ذات سے اس رحمت کو دور کر دیا جس رحمت کی وجہ سے اس کی جان محفوظ تھی،
16-اس روایت سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے زندہ کافر کے لیے لعنت کرنا یا انکی ہلاکت کی دعاء کرنا جائز نہیں کہ نہ معلوم کب اللہ عزوجل ان کو ہدایت دے اور کب ایمان لے ائیں فقہاء فرماتے ہیں ہزاروں کافروں کو قتل کرنے سے بہتر ہے ان میں سے کوئی ایک ایمان لے ائے۔ واضح ہو زندہ کافر پر نام لیکر شخصی لعنت کرنا جائز نہیں بلکہ عموم کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے جیسے کوئی کہے کفار پر اللہ کی لعنت ہو تو یہ جائز ہے، اسی طرح ہلاکت کی دعا عموم کے ساتھ جائز ہے،
اس روایت پر جو اعتراضات بنتے ہیں، جتنے فقیر کے علم میں تھے ان سب کو ذکر کر کے ان کے جوابات مختصر دے دیے ہیں۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا ہے اللہ کریم میری اس چھوٹی سی حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے، متعارضین و اہل تنقیص کے لیے راہ ہدایت بنائے میری میرے والدین اور قارئین کی مغفرت فرمائے (آمین) فقیر حنفی

نبی علیہ السلام کی آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے تو آپ کی فجر کی نماز قضا کیوں ہوئی؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ جب آپ کو نیند نے آلیا، آپ نے سواری سے اتر کر پڑاؤ کیا اور بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمارے لیے رات کا پہرہ دو نظر رکھو کہ کب صبح ہوتی ہے, بلال رضی اللہ عنہ نے مقدور بھر نماز پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سو گئے۔ جب فجر قریب ہوئی تو بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی طرف رخ کرتے ہوئے اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائی، جب وہ ٹیک لگائے ہوئے تھے تو ان پر نیند غالب آگئی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے نہ بلال اور نہ ان کے صحابہ میں سے کوئی بیدار ہوا یہاں تک کہ ان پر دھوپ پڑنے لگی، سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور گھبرا گئے۔ فرمانے لگے: اے بلال! تو بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میری جان کو بھی اسی نے قبضے میں لیا تھا جس نے آپ کی جان کو قبضے میں لیا ہوا تھا میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواریاں آگے بڑھاؤ وہ اپنی سواریوں کو لے کر کچھ آگے بڑھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انھوں نے نماز کی اقامت کہی، پھر آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی، جب نماز ختم کی تو فرمایا: جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے اسے پڑھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری یاد کے وقت نماز قائم کرو۔
(صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 1560)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- قافلے میں سے کسی ایک کو کسی کام کے کرنے کی ذمے داری دینا جائز ہے،
2- جس کو ذمے داری دی جائے اس چاہیے کے وہ اس کو صحیح طریقہ سے انجام دے،

3-اگر وہ کسی عذر صحیح کی وجہ سے ذمے داری کو انجام نہ دے سکا ہو تو اس کا عذر قبول کرنا چاہیے اور اس کو سرزنش نہیں کرنا چاہیے،

4-صحابہ کرام رات بھر قیام فرماتیں تلاوت و نماز میں رات گزارتے جیسے کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات بھر عبادت کرتے رہے،

5-جس جگہ شیطان کا اثر ہو وہاں نماز نہیں پڑھنا چاہیے جیسا کی اس روایت میں دوسری جگہ نماز ادا کی گئ چونکہ جہاں نماز قضا ہوئی تھی وہاں شیطان کا اثر تھا،

6-اس روایت سے فقہ حنفی کی تائید ہوتی ہے کہ احناف کے یہاں سورج نکلتے وقت اور استواء سورج جسے زوال کا وقت کہا جاتا ہے اور غروب ہوتے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں، چاہے کوئی قضا نماز ہی کیوں نہ ہو، جس جگہ شیطان کا اثر تھا وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں ادا فرمائی تو جس وقت میں شیطان کا اثر ہو اس وقت نماز پڑھنا کیسے جائز ہو گا؟ معلوم ہوا معصیت کی جگہ شیطانی اثر کی جگہ نماز نہیں پڑھنا چاہیے واضح ہو کہ اگر عصر کی نماز ادا نہیں کی تھی اور مکروہ وقت لگ گیا تو عصر کی نماز ادا کی جائے گی،

7-قضا نماز کے لیے اقامت کہنا جائز ہے،

8-اگر چند لوگوں کی نماز قضا ہو گئ ہو تو اس کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہے،

9-جو شخص نماز پرھنا بھول جائے تو یاد آنے پر اس کو ادا فرمائے ایسی صورت میں وہ گناہ گار نہیں ہو گا،

10-سوتے ہوئے نماز قضا ہو جائے تو گناہ نہیں جبکہ نماز کے لیے لاپرواہی نہ کی ہو یا جان بوجھ کر قضا نہ کی ہو، ہاں نماز کے وقت میں جاگ رہا تھا اور پھر سو گیا اور نماز قضا ہو گئ تو ان سب صورتوں میں گناہ گار ہو گا،

11-قضا نماز جس وقت قضا ہوئی ہو اس کو اسی وقت ادا کرنا لازم نہیں تاخیر کے ساتھ بھی اس نماز کو ادا کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ روایت مذکورہ میں تاخیر کے ساتھ نماز ادا کی گئ مگر جتنی جلد ہو قضا نماز کو ادا کر لینا چاہیے،

12-حضرت بلال نے اذان نہیں دی تو صبح نہ ہوئی یہ روایت من گھڑت باطل و موضوع ہے کہ روایت مذکورہ میں حضرت بلال نے نہ صرف اذان نہ دی بلکہ سورج بھی نکل آیا اور نماز بھی قضا ہو گئی اور صبح بھی ہو گی، اس روایت پر تفصیلی کلام ہم نے مشہور موضوع روایات کا تحقیقی جائزہ میں کیا ہے،

13-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل جاگتا ہے آنکھیں سوتی ہیں تو پھر نماز قضا کیسے ہو گئ ؟،

14-اس کا جواب یہ ہے بیشک آپ کا دل جاگتا رہتا ہے اور آنکھیں سو جاتی ہیںء مگر یہ ضروری نہیں کہ دل بھی جاگتا رہے اور آنکھیں بھی جاگتی رہیں نبی کو نبوت ملنے کے باوجود کلی طور پر عوارض بشری ختم نہیں ہوتے اور سوتے وقت آنکھوں کا بند ہونا بشری فطرت میں سے ہے سو اسی وجہ سے آپ کی آنکھیں سوتی ہیں، مگر دل جاگتا ہے تو بیشک اس وقت بھی آپ کا دل جاگا ہوا تھا اور وہ یاد الٰہی میں تھا اور چونکہ فجر کے وقت کا تعلق آنکھوں کے دیکھنے سے ہے اور اس وقت آپ کی آنکھیں سوئی ہوئی تھیں دل یاد الٰہی میں مشغول تھا گویا آپ سوتے ہوئے بھی نماز ادا فرمارہے تھے، چونکہ نماز کا اصل مقصد رب کو یاد کرنا ہے اور آپ کا دل اس وقت رب کو یاد کر رہا تھا آپ علیہ السلام کا دل جاگتا ہے کہ آپ پر حالت خواب میں بھی وحی نازل ہوا کرتی ہے،

15-اس روایت پر ملحدین یہ اعتراض کرتے ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج نکلنے تک سوتے رہتے یہاں تک کے نماز بھی قضا ہو جاتی تو پھر ہم کیوں نہ سورج نکلنے تک سوتے رہیں اس پر ہمیں کیوں سرزنش کی جاتی ہے ؟،

16-اس کا جواب یہ ہے ہم بلا وجہ اور ہر روز سورج نکلنے تک سوتے ہیں جس وجہ سے نماز بھی قضا ہو جاتی ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ایسا نہ تھا بلکہ ایسا ہونا شاذ و نادر تھا وہ بھی پوری رات سفر کرنے کی تھکاوٹ کی وجہ سے فجر میں آنکھ نہ کھلی آپ علیہ السلام کا حال تو یہ تھا پوری پوری رات قیام فرماتے نماز و تلاوت میں گزارتے تھے جبکہ

ہمارا معاملہ اس کے بر عکس ہے پوری رات حرام کاری و گناہ میں گزارتے ہیں اور فجر میں سو جاتے ہیں پس اسی وجہ سے ہم سرزنش کے مستحق ہیں،

17-اس روایت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے تھکاوٹ کی وجہ سے نماز قضا ہو گئ تھی تو کیا رسول اللہ پر بھی تھکاوٹ طاری ہوتی ہے ؟،

18-اس کا جواب یہ ہے جی ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تھکاوٹ طاری ہوتی ہے اگرچہ آپ نبی ہیں نوری بشر ہیں مگر ان سب کے باوجود بشری تقاضیں آپ سے کلی طور پر ختم نہیں ہوتے کیا آپ دیکھتے نہیں آپ کھاتے پیتے ہیں سوتے جاگتے ہیں نکاح بھی کرتے ہیں اولاد بھی ہوتی ہے، یہ سب فطرت بشری ہے اور چونکہ آپ بھی بشر ہیں اس لیے یہ اوصاف آپ میں بھی موجود ہیں،

19-اس روایت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے اس روایت میں ہے قضا نماز کی جس وقت یاد آئے پڑھ لینا چاہیے یعنی اوقات مکروہ میں بھی نماز پرھنا جائز ہے،

20-اس کا جواب یہ ہے مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اگرچہ فرض نماز قضا کیوں نہ ہو روایت مذکورہ میں طلوع شمش کے وقت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی قضا نماز ادا نہیں فرمائی جس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے مکروہ وقت میں نماز جائز نہیں،

21- نماز کی اہمیت معلوم ہوتی ہے رات بھر سفر کرنے کے باوجود نماز فجر میں اٹھانے کے لیے حضرت بلال کو مقرر فرمایا تھا،

22- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ پر شفقت کتنی تھی اس روایت سے پتہ چلتا ہے حضرت بلال سو گئے فجر میں نہ اٹھا سکیں حضرت بلال نے جب یہ عذر پیش کیا تو آپ نے ان کو سرزنش نہیں کی نہ فتکار لگائی،

23- نماز قضا ہو جائے تو اس کو ادا کرنا واجب ہے،

کیانبی علیہ السلام نے کبھی چاشت کی نمازادانہیں فرمائ؟

ابو نضر سے روایت ہے کہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے تھے جبکہ آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو کپڑے سے چھپائے ہوئے تھیں آگے پردہ کیا ہوا تھا میں نے سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے کہا: ام ہانی بنت ابی طالب ہوں۔ آپ نے فرمایا: ام ہانی کو خوش آمدید! جب آپ نہانے سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور صرف ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے آٹھ رکعتیں پڑھیں، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا ماں جایا بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چاہتا ہے کہ ایک ایسے آدمی کو قتل کردے جسے میں پناہ دے چکی ہوں۔ یعنی ہبیرہ کا بیٹا فلاں ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امی ہانی! جس کو تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

(صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین حدیث 1669)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1 - غسل ایسی جگہ کرنا چاہیے جہاں کوئی دیکھ نہ سکے یعنی کھلے آسمان کے نیچے بے پردہ غسل نہ کرے،

2 - ضرورت کے وقت غسل کرنے والے کو سلام کرنا جائز ہے،

3 - غسل کرتے وقت کسی نے سلام کیا تو اس کا جواب دینا جائز ہے، واضح رہے کہ یہ حکم ناپاکی کی جگہ کے لیے نہیں ہے کہ ان جگہوں پر منع ہے،

4 - غسل کرنے والے سے ضرورتاً بات چیت کرنا جائز ہے،

5 - غسل کرتے وقت اگر کوئی بات چیت آپ سے کر رہا ہو تو اس کا جواب دینا جائز ہے، واضح رہے غسل کے وقت بات چیت سلام کلام کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے

عام حالت میں غسل کرتے وقت بات چیت کرنا منع ہے،
6 - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی یہ نماز چاشت کی نماز تھی یعنی نماز چاشت کی آٹھ رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہیں،
7 - حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ماں جایا بھائی کہا اس سے حضرت علی پر شفقت کرنا مراد تھا اس سے معلوم ہوا چھوٹوں پر شفقت کرنا چاہیے،
8 - عورت کسی کو امان دے تو اس کا امان دینا جائز ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے احناف کے یہاں عورت کی امان حاکم وقت کے حکم پر موقف ہو گی اگر وہ امان بر قرار رکھے تو امان باقی رہے گی ورنہ نہیں،
9 - اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے صحیح مسلم کے اسی باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز ادا کرتے نہیں دیکھا، جبکہ اس روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ رکعت چاشت کی ادا فرمائی،
10 - اس کا جواب یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس سے مراد یہ ہے مسلسل لگاتار روزانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے چاشت کی نماز ادا کرتے نہیں دیکھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی سے ناراض ہو کر کیوں چلے گئیں؟

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت انھیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جگایا اور فرمایا: کیا تم لوگ نماز نہیں پڑھو گے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کی قدرت میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھانا چاہتا ہے اٹھا دیتا ہے، جب میں نے آپ سے یہ کہا تو آپ واپس چلے گئے پھر میں نے آپ کو سنا کہ آپ واپس پلٹتے ہوئے اپنی ران پر ہاتھ مارتے تھے اور کہتے: انسان سب سے بڑھ کر جھگڑا کرنے والا ہے یعنی کہ جگائے جانے پر ممنون ہونے اور نماز پڑھنے کی بجائے عذر پیش کیا گیا،
(صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین حدیث 1818)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- قیام اللیل کے لیے جگانا جائز ہے،
2- اگر کوئی سوتا رہے قیام اللیل نہ کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں،
3- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم کہ آقا کریم نے خود قیام الیل کے لیے جگایا،
4- نیک کام میں دوسروں کو بھی شریک کرنا چاہیے جس وجہ سے وہ بھی اجر و ثواب کے مستحق ہو جائیں،
5- عذر کی وجہ سے کسی بات سے رہ جائے تو اس کا عذر پیش کرنے والے کا عذر قبول کرنا چاہیے،
6- اس روایت میں شیعہ حضرات کا رد ہے شیعہ حضرات صحیح بخاری کی ایک روایت پیش کرتے ہیں۔ کہ نبی علیہ السلام کا جب آخری وقت آیا تو آپ علیہ السلام نے قلم کاغذ طلب کیا کہ میں اس پر کچھ تحریر کر دوں مگر حضرت عمر نے منع کر دیا اور کہا ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔

شیعہ حضرات کہتے ہیں حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی کہ آپ کو کاغذ قلم نہ دیا اس روایت میں شیعہ حضرات کا رد یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی کو جگایا تو آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے تھا مگر آپ نے ایسا نہ کیا بلکہ عذر بیان کرنے لگے جس وجہ سے آپ علیہ السلام ناراض ہو کر یہ فرماتے ہوئے چلے گئے کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے، میں پوچھتا ہوں کیا حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناشکری کی؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کیا؟ اور کیا حضرت علی کو ایسے کلمات کہنا چاہیے تھیں؟ جس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور آپ ناراض ہو کر واپس چلے آئے، در حقیقت شیعہ حضرات کا حضرت عمر پر بغض کینہ کی وجہ سے الزام ہے کہ آپ نے قلم کاغذ نہ دیکر نافرمانی کی، بلکہ اصل بات یہ ہے مرض کی شدت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو گی، آپ کو تکلیف نہ ہو اس لیے حضرت عمر نے عرض کر دی یارسول اللہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے آپ نے ہم تک مکمل دین پہنچا دیا ہے، یہ اصل وجہ تھی قلم کاغذ نہ دینے کی اور شیعہ حضرات نے حضرت عمر سے عداوت میں نہ جانے اپنی کتب میں کیا کیا لکھ ڈالا،

7-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے کلمات کیوں کہے جس سے آپ ناراض ہوئے،؟

8-اس کا جواب یہ ہے حضرت علی نے یہ کلمات جان بوجھ کر نہیں کہے تھے بلکہ آپ سو کر اٹھے تھیں نیند میں تھیں جس وجہ سے آپ کی توجہ نہ گئ اور زبان سے ایسے کلمات جاری ہو گئے لہذا اعتراض نہیں،

قران سات حرفوں پر نازل ہوا

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی داخل ہوا، نماز پڑھنے لگا اور اس نے جس طرح قراءت کی اس کو میں نے اس کے سامنے ناقابل مقبول قرار دے دیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا، پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے ایسی قراءت کی جو اس کے ساتھی پہلے آدمی کی قراءت سے مختلف تھی، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے عرض کی کہ اس شخص نے ایسی قراءت کی جو میں نے اس کے سامنے رد کردی اور دوسرا آیا تو اس نے اپنے ساتھی سے بھی الگ قراءت کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے انداز کی تحسین فرمائی تو میرے دل میں آپ کی تکذیب جھٹلانے کا داعیہ اس زور سے ڈالا گیا جتنا اس وقت بھی نہ تھا جب میں جاہلیت میں تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر طاری ہونے والی اس کیفیت کو دیکھا تو میرے سینے میں مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا، جیسے میں ڈر کے عالم میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "میرے پاس حکم بھیجا گیا کہ میں قرآن ایک حرف قراءت کی ایک صورت پر پڑھوں۔ تو میں نے جواباً درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیں۔ تو میرے پاس دوبارہ جواب بھیجا کہ میں اسے دو حرفوں پر پڑھوں۔ میں نے پھر عرض کی کہ میری امت کے لئے آسانی فرمائیں۔ تو میرے پاس تیسری بار جواب بھیجا کہ اسے سات حروف پر پڑھیے، نیز آپ کے لئے ہر جواب کے بدلے جو میں نے دیا ایک دعا ہے جو آپ مجھ سے مانگیں۔ میں نے عرض کی: اے میرے اللہ! میری امت کو بخش دے۔ اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے موخر کرلی ہے جس دن تمام مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن حدیث 1904)

حدیث مذکورہ اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- نماز مسجد میں ادا کرنا چاہیے
2-اگر کوئی غلط طریقہ سے نماز ادا کر رہا ہو تو اس کی اصلاح کرنا جائز ہے،
3-جب کسی مسئلہ کو لے کر تنازع ہو جائے تو اس مسئلہ کو کسی عالم دین کے پاس جا کر حل کرانے چاہیے،
4-حضرت کعب کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا وسوسہ آیا اس سے معلوم ہوا کسی دینی مسئلہ کو لے کر اگر وسوسہ آئے تو اس سے بندہ کافر نہیں ہوتا،
5-اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طاقت دی ہے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو جان لیتے ہیں،
6-اللہ عزوجل نے نبی کریم کو ایسی حکومت طاقت و اختیار دیا ہے نہ دکھنے والی چیز یعنی وسوسہ کو سینے پر ہاتھ مار کر اس کو دفعہ فرمادیتے ہیں اس میں آپ کے تصرف کا ثبوت ہے،
7-صحابہ کو خوف خدا اس قدر تھا کہ وہ اس طرح محسوس کیا کرتے تھیں کہ اللہ عزوجل کو وہ دیکھ رہے ہیں یا اللہ ان کو دیکھ رہا ہے اور اس خوف سے وہ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھیں،
8- آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کا حال جانتے تھے کہ ہم لوگ ہر اعتبار سے کمزور ہیں اسی لیے اپنی امت پر آسانیاں چاہتے تھے۔ جیسے مذکورہ روایت سے بھی واضح ہوتا ہے،
9-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم گناہ گار ناکارہ گندے نکے کمینوں سے اس قدر محبت و پیار کرتے ہیں۔ کی ہماری مغفرت بخشش کی ہمیشہ دعا مانگا کرتے تھے،
10- آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک دعا آخرت کے لیے بچا کر رکھی ہے، اور اسی دعا کے صدقہ ہم گناہ گار ناکارہ کمینوں کی بخشش ہو گی جہنمیوں کو جہنم سے نکالا جائے گا جنت میں داخل کیا جائے گا،

11- قران مجید کو سات حرفوں پر نازل کیا گیا یعنی سات طریقہ سے پڑھنے کی اجازت دی گئ، علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

تخفیف و تسہیل کی وجہ سے قران کو سات حرفوں پر نازل کیا گیا بعض علماء نے کہا سات حرفوں سے مراد قراءت و تجدید کے لحاظ سے تلاوت کی سات صورتیں ہیں کیونکہ ادغام اظہار تفخیم ترقیق امالتہ اور مد وغیرہ لغات کے لحاظ سے مختلف ہیں بعض لغات میں کسی لفظ کو ادغام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور بعض لغات میں اظہار کے ساتھ علی ہذا القیاس قران مجید کو سات طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی گئ ہے اور ابو عبید نے کہا سات حروف سے سات لغات مراد ہیں، امام طحاوی نے فرمایا سات لغات پڑھنے کی اجازت ابتدا میں تھی کیونکہ لغات عرب میں اختلاف تھا اور تمام قبائل کو ایک لغت پر جمع کرنا دشوار تھا اور جب اسلام پھیل گیا اور کتاب کی اشاعت بکثرت ہو گئ تو یہ ضرورت نہ رہی اور پھر قران مجید کو ایک لغت میں منحصر کر دیا اور وہ لغت قریش ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسی لغت پر مصحف مرتب کیا،

شرح صحیح مسلم جلد2 صفحہ 596

رمضان میں شیاطین قید ہو جاتے ہیں تو پھر لوگ گناہ کیوں کرتے ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین بیڑیوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔
(صحیح مسلم کتاب الصیام حدیث 2495)

حدیث مذکورہ پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جواب

1-حدیث مذکورہ میں رمضان کی نسبت مہینے کی طرف کی گئ ہے کہ جب رمضان آتا ہے جب کہ دوسری روایت میں ہے لات قولو ارمضان فان رمضان اسم اللہ و لکن قولوا شہر رمضان، کہ تم رمضان نہ کہو رمضان اللہ کا نام ہے بلکہ ماہ رمضان کہا کرو،

2-اس کا جواب یہ ہے اس روایت پر محدثین نے کلام کیا ہے بعض نے موضوع اور بعض نے ضعیف کہا ہے، اگر یہ روایت صحیح ہو تو بھی اس سے انکار لازم نہیں آتا اول تو یہ روایت صحیح مسلم کی روایت کے معارض ہے جو لائق قبول نہیں،
دوم صحیح مسلم کی روایت میں رمضان کی نسبت ماہ کی طرف کی گئ ہے کہ جب رمضان آتا ہے یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رمضان کی نسبت ماہ کی طرف کرنا یعنی یہ کہنا رمضان آتا ہے یا آیا گیا وغیرہ کہنا جائز ہے لہذا اعتراض نہیں،

3-مذکورہ روایت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کیا جنت کے دروازے سارا سال بند رہتے ہیں؟ کہ روایت میں آیا ہے جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں،

4-اس کا جواب یہ ہے رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں سے مراد یہ کہ رمضان میں انسان نیک کام کرتے ہیں، دن میں روزہ رات کو عبادت کرتے ہیں، نیز رمضان میں اللہ عزوجل اپنے فضل کرم سے بے شمار لوگوں کی بخشش فرماتا ہے، اور انہیں

جنت کا مستحق بنا دیتا ہے لہٰذا ان پر اس طرح جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے،

5-مذکورہ روایت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے رمضان میں جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، تو جو لوگ جہنم کے حقدار ہوتے ہیں، تو کیا وہ جہنم میں نہیں جاتے؟ کیا کافر کو ان دنوں جہنم میں داخل نہیں کیا جاتا جبکہ اس پر تو جہنم واجب ہو چکا ہوتا ہے،

6-اس کا جواب یہ ہے کافر اپنے کفر کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہوتا ہے اور وہ اس ماہ میں بھی جہنم کا مستحق ہے اور وہ جہنم میں داخل ہوتا ہے جہنم کے دروازے بند ہونے کی بات مسلمان کے لیے ہے کہ رمضان میں مسلمان اللہ کی خوب عبادت کرتا ہے روزہ نماز کی پابندی کرتا ہے گناہوں سے دور ہو جاتا ہے اللہ کریم اپنے فضل سے بے حساب لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے، ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے جس وجہ سے اس پر جہنم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے،

7-مذکورہ روایت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے جب شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے تو لوگ گناہ کیوں کرتے ہیں؟،

8-اس کے متعدد جواب ہیں ایک تو یہ ہے بندہ پورا سال گناہ کرتا ہے جو کی اس کی عادت میں شمار ہو جاتا ہے جس وجہ سے وہ اپنے نفس پر کنٹرول نہیں کر پاتا اور گناہ کر بیٹھتا ہے،

9-اس کا ایک جواب یہ ہے انسان کے ساتھ 2 شیطان ہوتے ہیں، ایک داخلی، اور ایک خارجی، داخلی کو ہمزاد بھی کہا جاتا ہے خارجی کو قید کر لیا جاتا ہے، اور داخلی کو نہیں کیا جاتا داخلی شیطان وسوسوں کا اس کو شکار کرتا رہتا ہے جس وجہ سے بندہ گناہ کر بیٹھتا ہے،

10-اس کا ایک جواب یہ ہے جو بڑے اور زیادہ قوت والے شیاطین ہوتے ہیں ان کو قید کر لیا جاتا ہے اور جو چھوٹے شیاطین ہوتے ہیں ان کو قید نہیں کیا جاتا،

11-اس کا ایک جواب یہ ہے، شیاطین کو قید کر لیا جاتا ہے سے مراد یہ ہے ان کی طاقتوں و قوتوں کو بالکل ختم نہیں کیا جاتا البتہ ان کی طاقتوں و قوتوں کو کمزور کر دیا ہے طاقت و قوت کم ہونے کی وجہ سے مسلمان نیک کام عبادت وغیرہ میں لگ جاتا ہے نیک کام زیادہ

کرتا ہے شیاطین کی قوت کمزور ہونے کی وجہ سے وہ گناہوں کا بھی شکار ہو جاتا ہے،

قرآن نے رات تک روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، تو رات ہونے سے پہلے افطار کیوں؟

سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، رمضان کی مہینے میں، پھر جب آفتاب ڈوبا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے فلانے! اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو۔" انہوں نے
عرض کی کہ یارسول اللہ! ابھی آپ پر دن ہے یعنی ان صحابی رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ جب غروب کے بعد جو سرخی ہے وہ جاتی ہے دن جاتا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: "اتر یعنی اونٹ پر سے اور ہمارے لئے ستو گھولو۔" پھر وہ اترے اور ستو گھولے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا: "جب سورج ڈوب جائے اس طرف کو یعنی مغرب میں اور آجائے رات اس طرف سے یعنی مشرق سے پس روزہ کھلنے کا وقت ہو چکا صائم کا، (صحیح مسلم کتاب الصیام حدیث 2559)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1-سفر میں فرض روزہ رکھا گیا تو وہ ادا ہو جائے گا،

2-جس طرح کھجور سے روزہ افطار کرنا سنت ہے اسی طرح ستو سے بھی افطار کرنا سنت ہے،

3-سورج جب غروب ہو جائے تو روزہ افطار کر لینا چاہیے،

4-کسی شخص کو کسی عالم مفتی کا فعل صحیح معلوم نہ ہوتا ہو اور اس کو لگتا ہو کہ شاید ان کی اس طرف توجہ نہیں ہے تو عالم مفتی صاحب کی اس طرف توجہ دلانا جائز ہے،

5-رمضان کے روزے رکھنا فرض ہیں،

6-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس وقت

رات تو نہیں آتی بلکہ کچھ نہ کچھ دن باقی رہتا ہے جیسا کی ان صحابی کو بھی یہ شبہ ہوا۔ کہ ابھی مکمل رات نہیں آئی جب کہ قرآن میں روزہ افطار کرنے کے بارے میں کہا گیا رات تک روزہ مکمل کرو جب ایسا ہے تو روزہ تو دن میں ہی افطار کر لیا گیا رات کہاں آئی جب رات نہیں آئی تو روزہ بھی مکمل نہ ہوا جب روزہ نہ مکمل ہوا تو غروب آفتاب ہو جائے تو روزہ افطار کرو یہ حکم قرآن کے خلاف ہے اور ایسے روزے کی قضا کرنا فرض ہے،

7-اس کا جواب یہ ہے اتموا الصیام الی اللیل، میں لفظ الی انتہا و حد بیان کرنے کے لیے آیا یعنی صوم کا لغوی معنی ہے ٹھہرنا رکنا تو اس اعتبار سے کھانے پینے جماع سے ساعت بھر رکنا بھی صوم کہلاتا ہے، اس لیے اس حکم کو طویل کھینچنے کے لیے الی لایا گیا یعنی رات تک ان تینوں کاموں سے رکا جائے تو یہ روزہ کہلائے گا لفظ الی نے یہاں صوم کی حد بیان کر دی کہ ساعت بھر کھانے پینے جماع سے رکنا شرعی روزہ نہیں ہے، بلکہ رات تک رکا جائے تو یہ روزہ ہے، رہا یہ کہ رات داخل کیوں نہیں تو یہاں لفظ الی غایت اثبات ہے۔ اور غایت دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک غایت اثبات اور ایک غایت اسقاط اور یہاں غایت اثبات مراد ہے۔ غایت اثبات وہ غایت کہلاتی ہے کہ کسی چیز کی غایہ حکم میں شامل نہ ہو لیکن اس حکم کو کھینچ کر اپنے مغیا تک پہنچا دے یعنی اتموا الصیام الی اللیل میں لیل صوم کی جنس سے نہیں ہے اس لیے لیل روزے کے حکم میں داخل نہ ہو گی، غایت اثبات مغیا کے حکم میں داخل نہیں ہوتی، البتہ اس غایت کا فائدہ یہ ہو گا کہ یہ اپنے حکم صوم کو اپنے تک کھینچ لائے گی یعنی رات صوم میں داخل نہ ہو گی، مگر صوم رات تک ہو گا رات آنے سے پہلے روزہ مکمل نہ ہو گا، اور جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو وہ رات کی ابتدا کہلاتی ہے اور یہی افطار کا وقت ہے،

صاحب ھدایہ فرماتے ہیں، وفی باب الصوم لمد الحکم الیھا اذ الاسم یطلق علی امساک ساعتہ

باب صوم میں غایت رات تک حکم کو کھینچنے کے لیے ہے اس لیے کے لفظ صوم ایک گھڑی رکنے کو بھی بولا جاتا ہے(ھدایہ کتاب الطھارات صفحہ 18)

اسی طرح بدائع الصائع میں ہے کہ جب الی کا مابعد ما قبل کی جنس سے ہو تو وہ اس میں داخل ہوتا ہے ورنہ نہیں اس لیے افطار کا ٹائم وہی ہے جو اس حدیث میں بتایا گیا،

8-روزوں کے بارے میں ایک اعت راض یہ وارد ہوتا ہے، اللہ عزوجل نے قرآن میں فرمایاہے کتب علیکم الصیام۔ تم پر روزے فرض کیے گئے، یہاں تو اللہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، ہمیں روزے رکھنے کا حکم کہا دیا گیا؟اس طور پر کے تم روزے رکھو بلکہ فرمایاتم پر فرض کیے گئے یہاں خبر دی جارہی ہے، جب کی خبر دینے سے کوئی چیز فرض نہیں ہوتی بلکہ حکم دینے سے فرض ہوتی ہے،

9-اس کا جواب یہ ہے اگرچہ اس آیت میں امر کا صیغہ نہیں ہے مگر اللہ عزوجل کی طرف سے کسی بات کو بذریعہ خبر بیان کرنا بنسبت امر کے زیادہ تاکید رکھتاہے اس لیے روزہ کی فرضیت زیادہ تاکید کے ساتھ ثابت ہوگی،

10-روزہ کی فرضیت کے بارے میں ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔ کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون،

جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کیے گئے تھے تم پر بھی فرض کیے گۓ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔،

اس آیت میں اللہ نے ہم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کیے تھے ان سے تشبیہ دی گئ ہے اور ہم سے پہلے لوگوں پر تو ایام بیض کے روزے فرض تھے یا پھر کسی سے کلام بات چیت نہ کرنا اس طرح کا روزہ رکھا جاتا تھا تو ہم پر بھی یا تو ایام بیض کے روزے فرض ہونے چاہیے یا پھر کسی سے بات چیت کلام نہ کیا جائے اس طرح کا روزہ ہونا چاہیے۔ مگر ایسا نہیں ہے جب ایسا نہیں ہے تو پھر ان سے تشبیہ کیوں دی گئ؟

11-اس کا جواب یہ ہے یہاں اللہ نے کیفیت روزہ کی تشبیہ نہیں دی ہے بلکہ فرضیت کے اعتبار سے تشبیہ دی ہے کہ پہلے لوگوں پر بھی روزے فرض تھے۔ اور تم پر بھی فرض ہیں، یہاں بندے کو تسلی بھی دی گئ ہے کہ ہمیں روزے میں بھوک پیاس اور خواہشات کو روکنا پڑتا ہے اور نفس پر یہ بہت سخت گزرتا ہے کہ پورا دن بھوک پیاس برداشت کرنا انسان کے لیے بڑا مشکل کام ہے تو اللہ نے یہاں تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں روزے تم پر ہی فرض نہیں ہیں تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض تھے اگرچہ ان کی اور تمہارے روزوں کی کیفیت میں فرق ہے۔ یہاں فرض کے اعتبار سے تشبیہ دی ہے نہ کے کیفیت کے جب ایسا ہے تو کوئی اعتراض نہیں۔

12-روزوں کے بارے میں ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے قرآن میں یہ کہاں فرمایا گیا کے رمضان کے ہی روزے فرض ہیں؟

جب رمضان کے روزے فرض کا قرآن میں ذکر نہیں ہے تو رمضان کے فرض کیسے ہوئے؟

13-اس کا جواب یہ ہے رمضان کے روزوں کی فرضیت اجماع امت سے ثابت ہے۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت احادیث متاواترہ سے ثابت ہے۔، قرآن میں اللہ نے فرمایا۔، فمن شھدہ منکم الشھر فلیصمہ

تم میں سے کوئی اس ماہ یعنی رمضان کو پائے وہ روزے رکھے۔

مذکورہ آیت میں رمضان کے روزے رکھنا فرض قرار دیا گیا ہے اور رمضان کا مہینہ متعین کیا گیا ہے جب ایسا ہے تو رمضان کے روزے فرض ہوں گے،

14-روزوں کے بارے میں ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل نے بیمار کو یا کسی عذر کی وجہ سے کوئی روزہ نہ رکھ سکے تو وہ بعد میں قضا کرے اور قضا کرنے کا حکم اللہ نے مطلق دیا ہے کہ کسی بھی دن روزوں کی قضا کرو اللہ فرماتا ہے۔۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ

جو بیمار ہو یا مسافر پر ہو اُسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے اللہ تعالٰی کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں وہ چاہتا ہے تم گنتی پوری کر لو۔

لیکن حدیث پاک میں ایام تشریق و عیدین میں روزہ رکھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے جب ایسا ہے تو روزوں کی قضا ظنی ہو گئ چونکہ مطلق حکم کو حدیث سے خاص کر لیا گیا اور جب خاص کر لیا گیا تو آیت قطعی کا فائدہ نہ دیگی جس وجہ سے روزوں کی قضا کرنا فرض نہیں ہونا چاہیے چونکہ اس میں شبہ داخل ہو گیا

15-اس کا جواب یہ ہے قضا کا معاملہ تخصیص کے زمرہ میں نہیں آتا ہے بلکہ مطلق کی تقید میں آتا ہے اور جب نص مطلق کی تقید کی جائے تو وہ قطعی باقی رہتی ہے ظنی نہیں ہو جاتی لہذا قضا کی فرضیت میں کوئ شبہ و خلل واقع نہیں،

اگر حدیث شریف بھی وحی ہے تو اس کی تلاوت کیوں نہیں کی جاتی؟

صفوان بن یعلیٰ نے اپنے والد یعلیٰ رضی اللہ عنہ سے خبر دی، فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا، اس نے جبہ پہن رکھا تھا جس پر زعفران ملی خوشبو کے نشانات تھے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول، میں نے عمرے کا احرام باندھا ہے تو میں کس طرح کروں؟ آپ خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا، جب آپ پر وحی اترتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے آگے اوٹ کرتے، آپ پر سایہ کرتے، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، میری خواہش ہے کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہو، میں بھی کپڑے میں آپ ﷺ کے ساتھ اپنا سر داخل کروں، جب آپ پر وحی نازل ہونے لگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کپڑے سے چھپا دیا، میں آپ کے پاس آیا اور آپ کے ساتھ کپڑے میں اپنا سر داخل کر دیا اور آپ کو وحی کے نزول کی حالت میں دیکھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کیفیت زائل کر دی گئی تو فرمایا، ابھی عمرے کے متعلق سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟،
اتنے میں وہ شخص آپ کے پاس آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنا جبہ اتار دو، اپنے جسم سے زعفران ملی خوشبو کا نشان دھو ڈالو اور عمرے میں وہی کرو جو تم نے حج میں کرنا تھا، (صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 2802)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- جبہ پہننا جائز ہے،

2- اس طرح خوشبو لگانا کے اس پر نشانات نظر آرہے ہوں جائز ہے،

3- عمرہ کرنے سے پہلے اس کے احکامات عالم صاحب سے سیکھ لینا چاہیے تا کہ عمرہ میں کوئی کمی واقع نہ ہو،

4- اگر عالم صاحب فوری طور پر جواب نہ دیں اور خاموش رہیں تو بار بار ان کو ٹوکنا نہیں

چاہیے اور نہ بار بار ان سے سوال کرنا چاہیے بلکہ ان کے جواب دینے کا انتظار کرنا چاہیے،

5-جب کوئی خاص معاملہ ہو تو اس کو چھپانا اس کے آگے آؤٹ کرنا جیسے کے وحی اترتے وقت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کی جائز ہے،

6-صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر کیفیت کو دیکھنے کے خواہش مند رہا کرتے اور اس کیفیت کے ذریعے برکتیں چاہتے جیسا کی اس روایت میں وحی کے نزول کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت کو دیکھنے کے لیے اپنا سر کپڑے کے اندر داخل کر دیا تھا،

7-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بارے میں وحی نازل ہوئی تھی تو وہ قرآن مجید میں کہاں ہے؟

8-اس کا جواب یہ ہے وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو اور ایک وحی غیر متلو وحی متلو وہ وحی کہلاتی جس کا معنی اور الفاظ دونوں نازل ہوں، اس کو وحی جلی بھی کہا جاتا ہے، اور وحی غیر متلو وہ وحی ہے، کہ جب سائل آپ سے کوئی سوال کرے تو وحی کے ذریعے آپ کو بتایا جاتا ہے، یعنی اس کا معنی اور مسائل بتایا جاتا ہے اور زبان نبوت سے اس کے الفاظ تعبیر ہو جاتے ہیں، یہ وحی خفی کہلاتی ہے جو کے غیر متلو ہے پس وحی خفی غیر متلو قرآن میں نہیں ہوتی اور نہ اس کی تلاوت کی جاتی ہے، جو وحی جبرائیل کے واسطے سے الفاظ و معنی کے ساتھ نازل ہو اس کو وحی متلو کہا جاتا ہے وہ قرآن مجید میں ہوا کرتی ہے، اور وحی خفی غیر متلو حدیث ہوا کرتی ہے، لہذا کوئی اعتراض نہیں،

9-عمرہ یا حج کرنے کا ارادہ ہو تو پھر سلے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں،

10-حالت احرام میں خوشبو لگانا جائز نہیں،

آپ علیہ السلام پر دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ کیوں کیا گیا؟

حضرت ام الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں، میں نے حجۃ الوداع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ نے جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں اور واپس پلٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تھے، حضرت بلال اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ان میں سے ایک آپ کی سواری آگے سے پکڑ کر چل رہا تھا، اور دوسرا دھوپ سے بچانے کے لیے اپنا کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر بلند کیے ہوئے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سایہ کیے ہوئے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتیں فرمائیں،

پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے، اگر تم پر ایک نکٹا یعنی نک کٹا غلام راوی کے خیال کے مطابق، سیاہ فام، امیر مقرر کر دیا جائے، اور تمہاری قیادت کتاب اللہ کے مطابق کرے، تو اس کی بات سننا اور اس پر عمل کرنا،

(صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 3138)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1- صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو دیکھا کرتے تھے کہ وہ فعل دیکھ کر کب ہم اپنی زندگی میں اس کو نافذ کر کے اس سے برکتیں حاصل کریں، اسی وجہ سے صحابہ کی نظریں نبی علیہ السلام کے ہر فعل کو دیکھا کرتی تھیں،

2- جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنا واجب ہے،

3- اگر مسلمانوں پر ایسا امیر مقرر کر دیا جائے کہ وہ سیاہ فام غلام ہو یا پھر اس کی شکل صورت اگرچہ خوب صورت نہ ہو مگر وہ کتاب اللہ کے مطابق قیادت کرتا ہو تو اس کی بات سنی جائے گی اور اس کے فرمان پر عمل کرنا بھی لازم ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوا اسلام میں مالدار لوگوں کو لوگوں پر فوقیت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی خوب صورت

شکل والوں کو سیاہ شکل والوں پر فوقیت حاصل ہے اگر کسی کو کسی پر فوقیت حاصل ہے تو وہ محض علم تقوی و طہارت کی وجہ سے دیگر افراد پر اس کو فوقیت حاصل ہے، اور ایسے ہی لوگوں کو اللہ کا قرب حاصل ہے امیری غریبی شکل صورت حسب نسب کوئی معنی نہیں رکھتا اللہ عزوجل کے یہاں صرف علم تقوی و طہارت ہی معنی رکھتا ہے، اور ایسے ہی افراد اللہ کے مقرب بندے ہیں،

4- اس روایت پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بادل چلا کرتا تھا یعنی بادل سایہ کیے رہتا تھا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ کی وجہ سے کپڑے کا سایہ کیوں کیا گیا؟،

5- اس کا جواب یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سورج کی روشنی بھی پڑا کرتی تھی اور دھوپ بھی پڑا کرتی تھی جیسا کی مذکورہ روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے اسی طرح بخاری کی حدیث 3906 پر ہے جب نبی کریم صلی علیہ وسلم پر دھوپ پڑنے لگی تو اس سے بچنے کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر کا سایہ آپ علیہ السلام پر کیا، بادل کا ساتھ چلنا اس کا آپ علیہ السلام پر سایہ کرنا اکثری اعتبار سے ہے، نہ کے دائمی طور پر سایہ ہونا۔ یعنی اکثر آپ پر بادل سایہ کرتا تھا مگر بعض اوقات آپ پر دھوپ کی کرنے بھی پڑا کرتیں تھیں جس وجہ سے صحابہ آپ علیہ السلام پر کپڑے سے سایہ کر لیتے تھیں، جب ایسا ہے تو اس روایت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا،

بیماری اڑ کر نہیں لگتی تو کرونا وائرس سے لوگ کیوں مرے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ہم مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو وہاں وبائی بخار پھیلا ہوا تھا۔ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی بیماری دیکھی تو دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے مدینہ کو ہمارے لیے دوست کر دے جیسے تو نے مکہ کو دوست کیا تھا یا اس سے بھی زیادہ اور اس کو صحت کی جگہ بنا دے اور ہمیں اس کے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف پھیر دے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 3342)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1-ایک شہر سے دوسرے شہر یا پھر ایک ملک سے دوسرے ملک ہجرت کرنا جائز ہے اگر کوئی ایسی جگہ رہتا ہو جہاں کفار کا غلبہ ہو اور اس کے ایمان ضائع ہو جانے کا خوف ہو تو اس جگہ سے ہجرت کر جانا فرض ہے،

2-بیماری اڑ کر پھیلا کرتی ہے اور وہ پھیل کر انسان کو لگتی بھی ہے، تبھی تو حضرت ابو بکر و حضرت بلال دونوں حضرات کو بخار آ گیا تھا،

3-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے بیماری ایک سے اڑ کر دوسرے کو نہیں لگتی مگر سائنس کہتی ہے بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی ہے اور یہ مشاہدہ بھی ہے کہ بیماری اڑ کر لگا کرتی ہے، ماضی میں ایک بیماری کرونا وائرس نام کی آئی تھی جس نے پوری دنیا کے نظام کو متزلزل کر کے رکھ دیا لاکھوں

لوگ اس بیماری سے متاثر ہوئے اور لاتعداد لوگ اس بیماری کے سبب موت کا شکار ہوئے جس کے پیش نظر تمام ممالک میں لوک ڈوَن لگایا گیا اور انسان کو اپنے ہی گھر میں قید ہو کر رہنا پڑا یہ ایسا وقت وہ مشاہدہ تھا کوئی بھی انسان اس بات کا انکار نہیں کر سکتا تھا کے بیماری اڑ کر نہیں لگتی ہے،

4- اس کا مختصر جواب یہ ہے حدیث میں جو کہا گیا بیماری ایک سے دوسرے کو اڑکر نہیں لگتی اس سے مراد فی نفسہ بیماری اور اس کے جراثیم اللہ کے اذن کے بغیر مؤثر نہیں ہوتے یعنی از خود بیماری اور اس کے جراثیم مؤثر نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ مؤثر حقیقی ہیں، یہ اسی وقت اثر کیا کرتے ہیں جب اللہ کا اذن ہو ورنہ از خود ان میں یہ طاقت و صلاحیت نہیں کے کسی کو بیمار کر سکیں ایک کی بیماری یا مرض کا اُڑ کر دوسرے کو لگ جانا یا کسی مریض سے مرض تجاوز کرکے صحیح سلامت تندرست آدمی میں منتقل ہوجانا! یہ بالکل باطل ہے۔اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے بیماری خود اُڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہے، خدا تعالیٰ کی تقدیر کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ یہ خود ہی مؤثر ہے، یعنی بذاتِ خود اثر انداز ہونے والی ہے۔ حدیثِ پاک میں اسی نظریے کا رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "لَاعَدْوَی" یعنی بیماری کا اُڑ کر لگنا کچھ نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ علیہ السلام نے مجذوم جذام کے مریض کے ساتھ کھانا بھی کھایا تاکہ لوگوں کو علم ہوجائے کہ مرض اڑ کر دوسرے کو نہیں لگتا۔ تعدیۂ جراثیم یعنی مرض کے جراثیم کا اُڑ کر دوسرے کو لگن کھلی حقیقت ہے، جراثیم خود مرض نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی چھوٹی سی مخلوق ہے جو صرف خردبین یا الٹرامائکرواسکوپ (Ultra-Microscope)کے ذریعے ہی نظر آتی ہے اور یہ جراثیم مرض کا سبب بنتے ہیں۔ پہلے زمانے کے لوگ ان جراثیم سے واقف نہ تھے تو انہوں نے یہی نظریہ بنا لیا کہ مرض مُتَعَدِّی ہوا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسلام نے اس کی نفی فرمائی کہ کوئی مرض مُتَعَدِّی نہیں ہوتا اسلام کے تعدیہ مرض کی نفی کرنے سے جراثیم کے مُتَعَدِّی ہونے کی نفی قطعاً نہیں ہوتی۔ علماء فرماتے ہیں میں، تعدیہ کی نفی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شے اپنی طبیعت کے اعتبار سے دوسری چیز کو نہیں لگتی، چونکہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اعتقاد رکھتے تھے کہ امراض اپنی طبیعت کے

اعتبار سے مُتَعَدِّی ہوتے ہیں اور وہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرتے تھے، لہذا اس اعتقاد کی نفی کی گئی اور نبی کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم نے ان کے اعتقاد کو باطل فرمایا اور مجذوم کے ساتھ کھانا کھایا تاکہ آپ انہیں بیان کر دیں کہ اللہ ہی بیمار کرتا ہے اور شفا دیتا ہے، مرأۃ المناجیح میں ہے: اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ بیماریوں میں عقل و ہوش ہے جو بیمار کے پاس بیٹھے اسے بھی اس مریض کی بیماری لگ جاتی ہے۔ وہ پاس بیٹھنے والے کو جانتی پہچانتی ہے یہاں اسی عقیدے کی تردید ہے۔ موجودہ حکیم ڈاکٹر بیماریوں کو مُتَعَدِّی مانتے ہیں، جذام، خارش، چیچک، موتی جھرہ، منہ کی یا بغل کی بو، آشوبِ چشم، وبائی بیماریاں اس حدیث میں ان سب وہموں کو دفع فرمایا گیا ہے۔ اس معنٰی سے مرض کا اُڑ کر لگنا باطل ہے مگر یہ ہوسکتا ہے کہ کسی بیمار کے پاس کی ہوا متعفن ہو اور جس کے جسم میں اس بیماری کا مادہ ہو وہ اس تَعَفُّن سے اثر لے کر بیمار ہو جائے اس معنٰی سے تَعَدِّی ہوسکتی ہے اس بنا پر فرمایا گیا کہ جذامی سے بھاگو لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔ غرضکہ عدویٰ یا تَعَدِّی اور چیز ہے کسی بیمار کے پاس بیٹھنے سے بیمار ہو جانا کچھ اور چیز ہے۔ (مرأۃ المناجیح، ج6، ص219)،

5 - مدینہ پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھا،

6 - آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت جحفہ میں یہود آباد تھے،

7 - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وبا کے ادھر منتقل ہونے کی دعا فرمائی، جس سے ثابت ہوا کفار کے لیے بیماری اور ہلاکت وتباہی کی دعا کرنا جائز ہے، اس طرح مسلمانوں کے لیے صحت وسلامتی کی اور مسلمانوں کے ملک کے لیے صحت افزا مقام ہونے کی دعا کرنا چاہیے۔ ل،

8 - اس حدیث میں ان جاہل بعض متصوفین تصوف زدہ کا رد ہے جو یہ کہا کرتے ہیں کہ دعا توکل کے منافی ہے ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ دعا خلاف توکل

ہے، کیونکہ دعا بھی اللہ کے حضور جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے اسی طرح صحابہ اور پوری امت دعا کیا کرتی ہے تو دعا کرنا توکل کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے، جبکہ دعا کرنا خود عبادت ہو اور خود اللہ ہمیں دعا کرنے کا حکم دیتا ہو، جو افتقار و احتیاج کی علامت ہے اور بہت بڑی عبادت ہے،

9 - اسی طرح دعا کو بے فائدہ کہنا جیسا کی معتزلہ کا اس کو خلاف تقدیر کہہ کر بے فائدہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دعا بھی تقدیر کا حصہ ہے۔ اور آپ کی دعا ہی کا یہ اثر ہے کہ جحفہ کا پانی بخار کا سبب بنتا ہے۔

ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا ھے یا اب بھی باقی ھے

حدیث مذکورہ میں ہجرت کا ذکر آیا ہے لہذا اس مناسبت سے ہم ہجرت پر تفصیلی کلام کرنا چاہتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے یا ختم ہو گیا ہے، علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہجرت کی تعریف اور ہجرت کے متعلق مختلف النوع احادیث۔ قرآن پاک میں ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ مِنْكُمْ-وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ-اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

اور جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ اس آیت سے وہ مسلمان مراد ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے بعد ہجرت کی۔ اور اس ہجرت کا مرتبہ پہلی ہجرت سے کم ہے۔ حدیبیہ کے بعد دو سال تک صلح کا زمانہ رہا پھر مکہ فتح ہو گیا اور ہجرت بھی ختم ہو گئی۔ ہجرت کی تعریف یہ ہے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف نکلنا یا دار الخوف سے دار الامن کی طرف نکلنا۔ جیسے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ یا حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ایک قول یہ ہے کہ شہوات، منکرات، اخلاق ذمیمہ اور معاصی کو ترک کرنا ہجرت ہے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے۔ حضرت مجاشع بن مسعود بیان کرتے ہیں، کہ میں اپنے بھائی حضرت مجاہد کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یہ مجاہد ہیں جو آپ سے ہجرت پر بیعت کریں گے، آپ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن میں اس کو اسلام پر بیعت کروں گا۔ عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمر لیثی کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی۔ ہم نے آپ سے ہجرت کے متعلق سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

فرمایا اب ہجرت نہیں ہے، پہلے مسلمان اپنے دین کے سبب سے اللہ اور رسول کی طرف بھاگتے تھے، کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں، لیکن اب اللہ تعالی اسلام کو غلبہ عطا فرما چکا ہے، اب مسلمان جہاں چاہیں اپنے رب کی عبادت کریں البتہ جہاد اور نیت باقی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اعرابی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ کی طرف ہجرت کرنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ جہاں کہیں ہوں یا کسی خاص جگہ پر؟ آیا کسی خاص قوم پر ہجرت فرض ہے؟ یا جب آپ رحلت فرما جائیں گے تو ہجرت منقطع ہو جائے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ساعت خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو، اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو خواہ تم ارض یمامہ میں فوت ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ ہجرت یہ ہے کہ تم ظاہر اور باطن میں بے حیائی کے کام ترک کر دو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو پھر تم مہاجر ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہو گی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو، اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہو گی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں کو ترک کر دے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے ساتھ رہے، ان کے چولہوں میں ایک ساتھ آگ جلتی ہوئی نہ دیکھی جائے۔ حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، (مجمع الزوائد ج 5، ص 253)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یہ زمین اللہ کی زمین ہے اور یہ لوگ اللہ کے بندے

ہیں، جس جگہ تم کو خیر ملے وہاں رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

ہجرت کے مختلف معانی

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی 606 ھ لکھتے ہیں، حدیث میں ہجرت کا بہت زیادہ ذکر ہے، ایک حدیث میں ہے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔اور ایک حدیث میں ہے، ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو، ہجر کا لغوی معنی وصل کی ضد ہے یعنی فراق، پھر اس کا غالب اطلاق ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکلنے اور دوسری زمین کی خاطر پہلی زمین کو ترک کرنے پر کیا جانے لگا، ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک ہجرت وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالی نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے: ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ: بیشک اللہ نے مسلمانوں کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ خرید لیا،(التوبہ:111)

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے اہل وعیال اور مال چھوڑ کر آجاتا اور ان میں سے کسی چیز کی طرف رجوع نہ کرتا اور جس جگہ ہجرت کی تاحیات وہیں رہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اس جگہ مر جائے جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی اسی بنا پر آپ نے حضرت سعد بن خولہ کی مکہ میں موت پر افسوس کیا وہ حج کے لیے مدینہ سے مکہ آئے اور وہیں فوت ہو گئے تھے۔اور جب آپ مکہ میں آئے تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمیں مکہ میں موت نہ دینا۔ اور جب مکہ دار الاسلام بن گیا تو وہ مدینہ کی طرح ہو گیا اور ہجرت منقطع ہو گئی، ہجرت کی دوسری قسم وہ ہے جو دیہاتیوں نے ہجرت کی اور مسلمانوں کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے لیکن انہوں نے اس طرح کے افعال نہیں کیے جس طرح پہلی ہجرت کرنے والوں نے کیے تھے، پس وہ مہاجر تو ہیں لیکن مہاجرین اولین کی فضیلت میں داخل نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے، ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ سے منقطع نہ ہو اس سے یہی ہجرت مراد ہے، ان ہی احادیث میں سے ایک

یہ حدیث ہے ہجرت کرو اور تکلف اور تصنع سے مہاجر نہ بنو۔ یعنی اللہ کے لیے اخلاص سے ہجرت کرو اور بغیر صحیح ہجرت کے مہاجرین کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔ ان احادیث میں سے یہ حدیث بھی ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ہجرت ترک تعلق وترک سلام و کلام کرے۔ اس ہجرت سے وصل کی ضد مراد ہے۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے کسی مسلمان کسی دنیاوی کوتاہی کی بناء پر اس سے ترک تعلق نہ کرے البتہ دین میں کسی بدعقیدگی کی بناء پر یا کسی غیر شرعی کام کی بناء پر ترک تعلق جائز ہے، کیونکہ اہل اھواء اور اھل بدعت سے دائمی ہجرت ترک تعلق رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص علانیہ معصیت سے توبہ نہ کرے اس سے ہجرت ضروری ہے، کیونکہ جب حضرت کعب بن مالک اور ان کے دیگر اصحاب نے بلا عذر غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان سے ہجرت کرلیں یعنی ترک تعلق کریں حتی کہ ان کی ازواج کو بھی ان سے ترک تعلق کا حکم دیا، مسلمانوں نے پچاس دن تک ان سے ترک تعلق رکھا اور ان کی ازواج نے ان سے ایک ماہ تک، اور حضرت عائشہ نے ایک ماہ تک حضرت ابن الزبیر سے ترک تعلق رکھا۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے بعض لوگ اللہ کا ذکر صرف اس حال میں کرتے ہیں کہ وہ مہاجر ہوتے ہیں یعنی ان کے قلب نے زبان سے ہجرت کی ہوئی ہوتی زبان ذکر کرتی ہے اور دل غافل ہوتا ہے، یعنی وہ اخلاص سے اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔

ھجرت کی مختلف النوع احادیث میں تطبیق

ہجرت سے متعلق جن احادیث کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض احادیث میں یہ صراحت ہے کہ ہجرت کبھی منقطع نہیں ہوگی اور بعض میں یہ وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہوجائے گی، بعض احادیث میں ہے کہ مسلمان زمین پر کہیں بھی قیام کرسکتا ہے اور بعض میں مشرکین کے ساتھ قیام کی ممانعت ہے اور بعض احادیث

میں تصریح ہے کہ ہجرت تو صرف گناہوں کو ترک کرنا ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے ان متعارض احادیث کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:۔

1۔ جن احادیث میں فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہونے کا بیان ہے وہ صحاح کی احادیث ہیں اور جن احادیث میں قیامت تک ہجرت باقی رہنے کا ذکر ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور صحاح کی احادیث کو سنن کی روایات پر ترجیح ہے۔

2- علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی، اب یہ فرضیت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت قیامت تک باقی رہے گی وہ مستحب ہے۔

3- علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے وطن، اہل و عیال اور مال سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جاتا اور کبھی ان چیزوں کی طرف واپس نہ لوٹا اس ہجرت پر اللہ تعالی نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی۔ ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے علاقہ میں آجائے اور ان میں ہجرت کی پہلی قسم کی طرح شدت نہیں ہے۔-

4- کفار کے علاوہ سے مسلمانوں کے علاقہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت باقی ہے وہ گناہوں سے ہجرت کرنا اور ان کو ترک کرنا ہے،

5۔ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ رہنے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رہنے سے مسلمانوں کو اپنے دین، جان، مال اور عزت و آبرو کی بربادی کا خطرہ ہو۔ جہاں اسلام شعائر، فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے ممانعت ہو یا جہاں کی تہذیب، کلچر اور سوسائٹی کے برے اثرت سے مسلمانوں کے عقائد اور معمولات محفوظ نہ رہیں، اور زمین کے جس حصہ میں مسلمانوں کے عقائد کو خطرہ نہ ہو اور وہ آزادی کے ساتھ وہاں اپنی عبادات کو انجام دے سکیں وہاں مسلمانوں کے رہنے میں کوئی حرج نہیں،

فتح مکہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی وجوہات

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا کیونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور انہیں جمیعت کی ضرورت تھی۔ لیکن جب اللہ تعالی نے مکہ کو فتح کر دیا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور تبلیغ اسلام اور دشمن سے مدافعت کے لیے جہاد کی فرضیت باقی رہی، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ ابتداء میں مدینہ منورہ ہجرت کرنا اس لیے بھی فرض تھا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اس کو کفار ایذاء دیتے تھے اور اس وقت تک اس پر ظلم کرتے رہتے تھے جب تک کہ وہ العیاذ باللہ دین اسلام کو چھوڑ نہیں دیتا۔ اور انہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا 97 اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا 98 فَاُولٰٓىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا
(النساء :97 ۔ 99)

بیشک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کیا کرتے رہے تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے، البتہ مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو واقعی بے بس اور مجبور ہیں، جو کسی تدبیر کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ کہیں جانے کا راستہ جانتے ہیں، تو قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں سے در گزر فرمائے اور اللہ بہت معاف فرمانے والا اور بے حد بخشنے والا ہے،

جو شخص دار الکفر میں اسلام لائے اور اس سے نکلنے پر قادر ہو اس کے حق میں ہجرت

اب بھی باقی ہے کیونکہ سنن نسائی میں حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی مشرک کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کسی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ مشرکین سے علیحدہ نہ ہو جائے اور سنن ابو داود میں حضرت سمرہ سے روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے، یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن کو یہ خدشہ ہو کہ اگر وہ دار الکفر میں رہے تو ان کا دین خطرہ میں پڑ جائے گا۔ (فتح الباری، ج 6، ص 190، مطبوعہ لاہور، 1401ھ)

دار الکفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں لا ھجرۃ بعد الفتح فتح کے بعد ہجرت نہیں کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ مطلقا فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے خواہ مکہ مکرمہ ہو یا کوئی اور شہر، لہذا اب اگر مسلمان کسی شہر کو فتح کر لیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں ہے، لیکن اگر کسی شہر کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے متعلق تین قول ہیں:-

1۔ پہلا قول: جو شخص دار الکفر میں دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور فرائض اور واجبات کو ادا نہ کر سکتا ہو اور وہ دار الکفر سے نکلنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔-

2۔ دوسرا قول: مسلمان دار الکفر میں فرائض اور واجبات کو آزادی سے ادا کر سکتے ہوں اور ہجرت کرنے کی بھی استطاعت رکھتے ہوں پھر بھی ان کے لیے دار الکفر سے ہجرت کرنا مستحب ہے تاکہ دار الاسلام میں مسلمانوں کی کثرت اور جمعیت ہو اور وہ بوقت ضرور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں اور دار الکفر میں کفار کی بدعہدی اور فتنوں سے محفوظ رہیں اور کافروں کی تہذیب اور ثقافت اور ان کے معاشرے کی بے راہ روی، بد چلنی اور فحاشی کے برے اثرات سے مامون رہیں، اور کفار اپنے دین کی اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی جو کوشش کرتے ہیں ان کے خطرات سے مسلمان محفوظ رہیں۔،

3۔ تیسرا قول: جو مسلمان قید مرض یا کسی اور عذر کی بنا پر دار الکفر سے ہجرت نہ کر سکتا ہو اس کے لیے دار الکفر میں رہنا جائز ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ تکلیف اور مشقت اٹھا کر ہجرت کرے تو ماجور ہو گا۔

(فتح الباری ج 6، ص 38، مطبوعہ لاہور، 1401 ھ)

ہجرت کی اقسام

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام ذکر کی ہیں:۔
1۔ دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت، جیسا کہ مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، یا اب ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آ کر انگلینڈ، امریکہ یا مغربی جرمنی کی طرف ہجرت کر جائیں۔
2۔ دارالکفر سے در الاسلام کی طرف ہجرت کرنا، جیسا کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یا اب بھارت سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا۔ اسی طرح جو شخص دار الکفر میں اظہار دین پر قادر نہ ہو اس کا دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا۔
3۔ قرب قیامت میں فتنوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں کا شام کی طرف ہجرت کرنا۔ چنانچہ سنن ابو داود میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہو گی، سوروئے زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم کی ہجرت کی جگہ شام میں چلے جائیں گے اور باقی زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے,
4۔ برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرنا۔
ایک اور قسم کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے:۔
5۔ ماسوا اللہ کو ترک کر کے اللہ کی طرف ہجرت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا, جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہے۔ ہجرت الی اللہ کی توضیح,اللہ کی طرف ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو رضائے الہی میں اس طرح ڈھال لے کہ اس کے دل میں ہر کام کا محرک اور داعی اللہ کا حکم ہو، اور طبعی تقاضے شرعی تقاضوں کے مظہر ہو جائیں حتی کہ وہ اس منزل پر آجائے کہ اس کا کھانا پینا بھی اس نیت سے ہو کہ چونکہ اللہ نے کھانے پینے کا حکم دیا ہے اس لیے وہ کھاتا پیتا ہے ورنہ اس کو لاکھ بھوک اور پیاس لگتی وہ کھانے

پینے کی طرف التفات نہ کرتا۔ اس مقام کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کے ہر کام کی نیت اور جذبہ یہ ہو کہ چونکہ یہ اللہ کا حکم ہے اس لیے وہ اس کام کو کر رہا ہے اور اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو خواہ کچھ ہوتا وہ اس کام کو نہ کرتا۔ اسی مرتبہ کو اللہ کے صبغۃ اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مقام کی طرف اس حدیث میں ہدایت دی ہے، اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ، اقبال نے اسی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے۔

یزداں بلند آور اے ہمت مردانہ!۔

یعنی انسان کے لیے ملکوتی صفات اپنانا حتی کہ مظہر جبرئیل ہونا بھی کمال نہیں ہے۔ اس کا مقام تو یہ ہے وہ الوہی صفات اپنا کر اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے اور مظہر رب جبرئیل ہو جائے۔ چناچہ بندہ اگر کسی پر رحم کرے تو اس لیے کہ اس کا رب رحیم ہے اور اگر کسی پر غضب ناک ہو تو اس لیے کہ اس کا رب قہار ہے، اور انہیں پر رحم کرے جن پر اس کا رب رحم کرنا چاہتا ہے اور انہیں پر غضب ناک ہو تو اس لیے کہ اس کا رب قہار ہے، اور انہیں پر رحم کرے جن پر اس کا رب رحم کرنا چاہتا ہے اور انہیں پر غضب ناک ہو جن پر اس کا رب اس سے غضب ناک ناک ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح ہجرت الی الرسول کا مطلب بھی یہ ہے کہ اپنی سیرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے تابع کرے اور چونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی اور حکم الگ الگ اور مغایر نہیں ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا اللہ تعالی کے احکام پر عمل کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے،

(تبیان القرآن جلد4 صفحہ 713 تا718)

مدینہ منورہ میں بد عقیدہ لوگ آباد کیوں ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی اپنے چچازاد اور قریبی کو دعوت دے گا خوشحالی کی طرف آؤ، خوشحالی کی طرف آؤ حالانکہ اگر وہ جان لیں تو مدینہ ان کے لیے بہتر ہو گا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان میں سے کوئی ایک شخص بھی اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے نہیں نکلے گا مگر اللہ تعالیٰ وہاں اس کی جگہ لینے والا اس سے بہتر شخص لے آئے گا سنو! مدینہ ایک بھٹی کی مانند ہے، ہر گندی چیز کو نکال باہر کرتا ہے، اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہو گی جب تک کہ مدینہ اپنے اندر سے اسی طرح شریر لوگوں کو نکال نہیں دے گا جس طرح بھٹی لوہے کی گندگی میل زنگ کو نکال دیتی ہے

(صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 3352)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1-لوگوں پر ایک زمانہ ایسا ائے گا وہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر خوشحالی کی طرف دعوت دیں گے اور مدینہ چھوڑ جائیں گے،

2-دنیا کے کسی بھی خطے میں کہیں ہو اگرچہ خوشحالی ہو باوجود کہیں اور خوشحالی کے مدینہ طیبہ ہی لوگوں کے لیے بہتر ہو گا،

3-اللہ عزوجل کے نام کہ قسم کھانا جائز ہے،

4-جو لوگ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر جائیں گے ان لوگوں سے بہتر لوگوں کو اللہ عزوجل مدینہ طیبہ میں لے آئے گا،

5-مدینہ طیبہ اپنے اندر سے شریر و خبیث لوگوں کو باہر نکال دیتا ہے،

6-قیامت اس وقت تک نہیں قائم ہو گی جب تک مدینہ طیبہ شریر لوگوں کو باہر نہیں نکال دیگا،

7-اس حدیث پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے جب مدینہ طیبہ شریر خبیث بد عقیدہ لوگوں کو

باہر نکال دیتا ہے تو پھر مدینہ طیبہ میں بد عقیدہ لوگ کیوں ہیں؟
8 - اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں بد عقیدہ لوگوں کی بد عقیدگی کو فروغ نہیں ملے گا جس وجہ سے وہ مایوس ہو کر نکل جائیں گے،
9 - اس کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے مرنے کے بعد اس بد عقیدہ کو مدینہ طیبہ سے اس کی قبر سے مدینہ کے باہر کسی قبر میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور نیک صالح عاشق رسول کو مدینہ میں اس قبر میں لایا جاتا ہے،
10 - اس کا ایک جواب یہ ہے خبیث و بد عقیدہ لوگوں کا اخراج کا وصف رسول اللہ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے اور قرب قیامت میں یہ وصف لوٹ آئے گا اور کافر منافق لوگ مدینہ سے باہر نکل جائیں گے جیسا کی بخاری کی حدیث 7124 میں حضرت انس کی روایت میں ہے قرب قیامت میں مدینہ طیبہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کے نتیجہ میں کافر منافق لوگ مدینہ طیبہ سے نکل جائیں گے، معلوم ہوا بد عقیدہ لوگوں کا اخراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے اور پھر یہی اخراج کا وصف قرب قیامت میں لوٹ آے گا جب ایسا ہے تو اس وقت مدینہ میں بد عقیدہ لوگ آباد ہوں تو حدیث پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا یہ بھی معلوم ہوا قرب قیامت میں مدینہ طیبہ میں کافر و مشرک لوگ آباد ہوں گے، حدیث مذکورہ میں فرمایا گیا مدینہ ہی لوگوں کے لیے بہتر ہے، اور جو کوئی مدینہ سے نکلتا ہے تو اللہ عزوجل اس سے بہتر انسان کو مدینہ منورہ میں لے آتا ہے، مدینہ منورہ افضل ہے یا پھر مکہ مکرمہ اس پر ہم تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں،

مدینہ منورہ افضل ہے یا پھر مکہ مکرمہ؟

مدینہ طیبہ افضل ہے یا مکہ مکرمہ اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے علامہ امام قسطلانی فرماتے ہیں، ہے حضرت سفیان بن عیینہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک، نیز امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتوں میں سے صحیح روایت کے مطابق نیز ابن وہب مطرف اور ابن حبیب تینوں مالکی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں کے نزدیک، اور ساجی نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا علاوہ ازیں کی مکی اور مدنی حضرات کے نزدیک نیز ابن عبد البر نے حضرت عمر فاروق حضرت علی المرتضی حضرت ابن مسعود حضرت ابو درداء حضرت جابر حضرت ابن زبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے اور مکہ مکرمہ کی مسجد مدینہ طیبہ کی مسجد سے افضل ہے کیونکہ بعض مکانات دوسرے مکانات سے عبادت کی وجہ سے زیادہ شرف رکھتے ہیں، کہ ان مقامات میں عبادت کو ترجیح ہوتی ہے۔ ابن عبد البر نے نقل کیا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ایسی بات مروی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکہ کرمہ یہ تمام زمین سے افضل ہے، لیکن امام مالک کے شاگردوں سے ان کا مذہب یوں مشہور ہے کہ مدینہ طیبہ کو فضیلت حاصل ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں، مدینہ طیبہ اور اس کی مسجد افضل ہے اکثر اہل مدینہ اور حضرت عمر بن خطاب اور ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے۔ ہمارے اصحاب شافعی حضرات نے مکہ مکرمہ کی فضیلت پر جو استدلال کیا ہے اس میں حضرت عبد اللہ بن الحمراء فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ اپنی سواری پر ٹھیرے ہوئے فرما رہے تھے, واللہ انک لخیر ارض اللہ واحبھا الی اللہ ولولا انی اخرجت منک ما خرجت،

اللہ کی قسم! تو اللہ عزوجل کی بہترین و محبوب ترین زمین ہے اور اگر مجھے تیرے اندر سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں نہ نکلتا, امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے, ابن عبد البر نے کہا کہ یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے مروی سب سے زیادہ صحیح روایت ہے اور

فرمایا کہ یہ محل اختلاف میں قطعی فیصلہ ہے۔ امام شافعی اور جمہور کے نزدیک اس یعنی حدیث کا معنی یہ کہ مسجد حرام کے علاوہ کیونکہ کہ اس میں نماز پڑھنا میری مسجد مسجد نبوی میں نماز سے افضل ہے۔ امام مالک اور ان کے موافق حضرات کے نزدیک معنی یہ ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ کیونکہ میری مسجد میں باقی مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: صلاۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلاۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام صلاۃ فی المسجد الحرام افضل من مائتۂ صلاۃ فی ھذا،۔

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز اس میں ایک سو نماز سے افضل ہے، اس حدیث کو امام احمد اور ابن خزیمہ نے نیز ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا اور انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے، فی مسجد المدینۃ ھذا، سے مراد مسجد نبوی ہے۔ اور امام بزار نے بھی نقل کیا اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔ صلاتہ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلاتہ فیما سواہ الا المسجد الحرام فانہ یزید علیہ مائتہ.

میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے کہ وہ ایک سو درجہ زیادہ ہے، امام ترمذی نے فرمایا اس کی سند بھی صحیح ہے۔ مالکی حضرات نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان میں وہ روایت بھی ہے جسے ابن حبیب نے الواضحہ میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: صلاۃ فی مسجدی کالف صلاۃ فیما سواہ وجمعۃ فی مسجدی کالف جمعۃ فیما سواہ ورمضان فی مسجدی کالف رمضان فیما سواہ.

میری مسجد میں ایک نماز اس کے علاوہ مساجد میں ایک ہزار نمازوں کی طرح ہے اور اس میں ایک جمعہ دوسری مساجد میں ایک ہزار جمعہ کی طرح ہے اور اس میں ایک رمضان گزارنا اس کے علاوہ میں ایک ہزار رمضان جیسا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر مدنی حضرات کا مذہب جیسا کہ قاضی عیاض نے ذکر کیا یہ ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔ اور اس بات پر اجماع ہے کہ وہ جگہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضائے مبارکہ ملے ہوئے ہیں وہ زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ شریف والی جگہ سے بھی افضل ہے جس طرح ابن عساکر الباجی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ نے فرمایا بلکہ تاج سبکی نے بھی یہ اجماع نقل کیا جیسا کہ سید سمہودی ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن احمد احسنی الشافعی نے فضائل المدینہ میں ذکر کیا وہ ابن عقیل حنبلی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے اور فاکہانی نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اسے ساتوں آسمانوں پر بھی فضیلت حاصل ہے ان کے الفاظ اس طرح ہیں, میں کہتا ہوں کہ یہ آسمانوں کے تمام حصوں سے بھی افضل ہے اور میں نے کسی کو اس پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اس بات کو علمائے امت کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس میں اختلاف نہیں کریں گے اور روایات میں آیا ہے کہ آسمانوں کو آپ کے مبارک قدموں کے لگنے سے فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص کہے کہ زمین کے تمام ٹکڑے آسمان کے تمام حصوں سے افضل ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما ہیں, تو یہ بات عقل سے دور نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ بات ظاہر و متعین ہے۔ فاکھانی کا کلام مکمل ہوا۔ بعض حضرات نے زمین کی آسمان پر فضیلت اکثر حضرات سے نقل کی ہے کیونکہ انبیاء کرام اسی سے پیدا ہوئے اور اس میں مدفون ہوئے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جمہور کے نزدیک آسمان کو زمین پر فضیلت حاصل ہے یعنی اس جگہ کے علاوہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء شریف متصل ہیں۔ جس جگہ سے نبی اکرم ﷺ کا جسم اقدس متصل ہے اس کی دیگر زمین پر فضیلت پر جو اجماع ذکر کیا گیا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور اس اعتراض کو شیخ عزیز الدین ابن عبد السلام کے قول سے تائید حاصل ہے انہوں نے بعض جگہوں کی

دوسری بعض جگہوں پر فضیلت کے حوالے سے کہا ہے کہ تمام جگہیں اور تمام وقت باہم مساوی ہیں اور فضیلت اس چیز کی وجہ سے ہوتی ہے جو ان وقت اور جگہ میں واقع ہو۔ ان صفات کی وجہ سے نہیں جو ان کے ساتھ قائم ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ان دونوں جگہ اور وقت کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم کی طرف لوٹتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان میں بندوں کو عطا کرتا ہے اور ان میں جو فضیلت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں عمل کرنے والوں کے اجر کی فضیلت کے ذریعے اپنے بندوں پر جود کرم فرماتا ہے۔

گویا معترض کے نزدیک فضیلت عمل کی وجہ سے ہے کسی شخصیت کی وجہ سے نہیں۔

لیکن شیخ تقی الدین سبکی نے اس کا تعاقب کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ عزیز الدین کے قول سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ عمل کے علاوہ کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل ہو اگرچہ وہاں عمل نہ ہو۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر رحمت رضائے الٰہی اور فرشتے اترتے ہیں اور اس قبر انور اور اس میں محو استراحت شخصیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر محبت ہے کہ عقلیں اس کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور یہ مقام کسی دوسری جگہ کو حاصل نہیں ہے تو وہ مقام کس طرح افضل نہیں ہوگا اور یہ مقام کسی دوسری جگہ کو حاصل نہیں ہے اور یہ مقام ہمارے لیے عمل کی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ مسجد نہیں ہے اور نہ اس کے لیے مسجد کا حکم ہے بلکہ اس کا استحقاق تو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ نیز اس قبر انور میں اعمال کا بڑھنا اس اعتبار سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ یہ بات ثابت ہے اور آپ کے اعمال اس میں اس قدر بڑھتے ہیں جو ہر ایک سے زیادہ ہیں، پس اعمال کا بڑھنا ہمارے اعمال سے مختص نہیں ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کو یہ بات سمجھ آگئی اس کا سینہ اس بات کے لیے کھل جائے گا جو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارکہ جس مقام سے ملے ہوئے ہیں اسے دو وجہ سے فضیلت حاصل ہے ایک بات وہ جو کہی گئی کہ ہر شخص اس جگہ دفن ہوتا ہے جس سے پیدا ہوتا ہے اور

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس پر فرشتے اور برکات نازل ہوتی ہیں اور وہ اللہ تعالی کی خاص توجہ کا مرکز ہے اور ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ کسی جگہ کو اس کی ذات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس فضیلت کا سبب وہ ذات ہوتی ہے جو وہاں اترتی ہے، شیخ تقی الدین سبکی کا قول ختم ہوا۔ حضرت ابو یعلی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھیں: لا يقبض النبي الا في احب الامكنة اليه. ہر نبی کی روح اس جگہ قبض کی جاتی ہے جو جگہ اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو جگہ نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہے وہ آپ کے رب کو بھی سب سے زیادہ پسند ہے کیونکہ آپ کی محبت آپ کے رب عزوجل کی محبت کے تابع ہے اور جو چیز اللہ تعالی اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ پسند ہو وہ کیسے افضل نہیں ہو گی؟ اور نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَإِنِّي ادْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ ابْرَاهِيمُ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهُ مَعَه

یا اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لیے دعا مانگی اور میں تجھ سے مدینہ طیبہ کے لیے اس کی مثل جو ابراہیم علیہ علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی اور اسی کے ساتھ اس کی مثل کی دعا کرتا ہوں۔

اور اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے افضل ہے کیونکہ دعا کی فضیلت دعا کرنے والے کی فضیلت کی قدر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی،

اللهم حبب الينا المدينة كحبنا مكة او اشده

یا اللہ! ہمارے لیے مدینہ طیبہ کو محبوب بنادے دے جس طرح ہم مکہ مکرمہ سے محبت کرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔

ایک روایت میں لفظ او کی بجائے بل اشد بلکہ زیادہ کے الفاظ ہیں، اور نبی اکرم ﷺ کی

دعا قبول ہوئی حتی کہ آپ مدینہ طیبہ کی محبت میں جب اس شہر کو دیکھتے تو اپنی سواری کو حرکت دیتے۔ امام حاکم نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا کی:

اللھم انک اخرجتني من احب البقاع إلی فاسکنی فی احب البقاع الیک

اللہ تو نے مجھے اس جگہ سے ہجرت کا حکم دیا جو مجھے تمام جگہوں سے زیادہ محبوب ہے پس مجھے ایسی جگہ ٹھہرا جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

یعنی ایسی جگہ سکونت عطا فرما جسے تو اسی طرح فضیلت والی بنادے پس اس میں دو محبتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ابن عبد البر نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور اگر اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مکہ مکرمہ کے بعد یہ مدینہ طیبہ تیرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے: ان مکۃ خیر بلاد اللہ. مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے سب سے بہتر شہر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ احب ارض اللہ الی اللہ، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی زمین میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ نیز مسجد مکہ مسجد حرام میں ثواب کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بھی اس کو فضیلت حاصل ہے۔ علامہ سید سمہودی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اسے ظاہر سے پھیرنے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اس سے مقصود دار ہجرت نبوی کے لئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اسی طرح کر دے اور حدیث ان مکۃ خیر بلاد اللہ مدینہ طیبہ کی فضیلت ثابت ہونے سے پہلے ابتدائی مرحلے پر محمول ہے جب دین کو غلبہ حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی شہر فتح ہوئے بلکہ ابھی مکہ مکرمہ بھی فتح نہیں ہوا تھا۔ اس وقت مکہ مکرمہ کو جو فضیلت ملی وہ کسی دوسرے شہر کو حاصل نہ ہوئی پس آپ کی دعا کی قبولیت ظاہر ہوئی اور اسے سب سے زیادہ محبوبیت مطلقاً حاصل ہوئی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ طیبہ میں ٹھہرنا لازم قرار دیا اور حضور ﷺ نے اس شہر میں سکونت پذیر ہونے اور وہاں فوت ہونے کی ترغیب دی پس یہ کیسے افضل نہ ہو گا؟ علامہ سید سمہودی فرماتے ہیں جہاں تک زیادہ ثواب کا تعلق ہے تو

فضیلت کے اسباب اسی بات میں منحصر نہیں عرفات کی طرف جانے کے لئے منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا مسجد حرام میں پڑھنے سے افضل ہے اگر چہ ان کے ثواب میں اضافہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں فضیلت ہے جو ثواب سے زائد ہے اور ہمارا مذہب شافعی مذہب یہ ہے کہ جگہ کی فضیلت کے ساتھ نفل نماز کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد مکہ مکرمہ میں نماز کا ثواب زیادہ ہے حالانکہ وہ مدینہ طیبہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور جو شخص آپ کے اس قول سے کہ مسجد حرام میں نماز کا ثواب زیادہ ہے، مکہ مکرمہ کی فضیلت ثابت کرتا ہے اس کا قول درست نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ مفضول مسجد حرام کو ایسی فضیلت حاصل ہے جو زیادہ فضیلت والے شہر کی مسجد کو حاصل نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ سے زیادہ برکت کی دعا کرنا امور دینیہ کو بھی شامل ہے اور بعض اوقات قلیل عدد میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ اس کا نفع کثیر سے زیادہ ہو جاتا ہے اس لیے اس ضابطے کو مدینہ طیبہ کی فضیلت کے لیے دلیل بنایا جاتا ہے۔ اور اگر ثواب کے بڑھنے سے فقط کعبہ مراد ہو تو جواب یہ ہو گا کہ یہ گفتگو کعبہ شریف کے علاوہ مقامات کے بارے میں ہے پس اس کی فضیلت کے بارے میں وارد احادیث میں سے کسی کا رد نہ ہو گا اور نہ مکہ مکرمہ کے ان مقامات کی فضیلت کا رد ہو گا جن سے احکام حج کا تعلق ہے کیونکہ ان سے حج کا تعلق ہے اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عیاش مخزومی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ سے بہتر قرار دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حرم اور امن کی جگہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا پہلا قول دہرایا تو حضرت عبد اللہ بن عیاش نے اپنا جواب دہرایا تو آپ نے پھر فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات

نہیں کہتا حضرت عبد اللہ بن عیاش کو اشارہ کیا گیا تو وہ واپس چلے گئے۔ مدینہ طیبہ کو عمرہ کا عوض عطا کیا گیا جیسا کہ صحیح حدیث میں مسجد قباء کی حاضری کے بارے میں ہے کہ اس کی زیارت کرنے اور وہاں نفل پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ مسجد قباء میں نماز عمرہ کی طرح ہے، اور حج کی جگہ روضہ رسول اور مسجد نبوی کی زیارت کو رکھا گیا ہے۔ نبوت کے بعد مدینہ طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کی اقامت اگرچہ مکہ مکرمہ کے مقابلے میں کم ہے لیکن یہ دین کے اعزاز اور اظہار کا سبب ہے اکثر فرائض کا نزول اور دین کی تکمیل بھی یہیں ہوئی حتی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد و رفت یہاں زیادہ ہوئی پھر قیامت کے قائم ہونے تک رسول اکرم یہاں تشریف فرما ہیں اسی لیے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا آپ کے نزدیک ان میں سے یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے کس جگہ ٹھہرنا زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا یہاں مدینہ طیبہ میں ٹھہرنا زیادہ پسند ہے اور میں مدینہ طیبہ کو کیسے اختیار نہ کروں حالانکہ یہاں کوئی ایسا راستہ نہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ چلے ہوں اور رب العالمین کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام ایک ساعت سے بھی کم وقت میں یہاں اترتے ہیں۔ امام طبرانی نے یہ حدیث روایت کی ہے: المدینۃ خیر من مکۃ. مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔ اور جندی کی روایت میں افضل من مکۃ" کے الفاظ ہیں۔ اس روایت میں محمد بن عبد الرحمن الرداد راوی ہے جسے ابن حبان نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے اور فرمایا کہ اس سے خطاء بھی ہو جاتی تھی ابو زرعہ رازی حافظ عبید اللہ بن عبد الکریم نے فرمایا، کہ اس میں ڈھیلا پن تھا۔ ابن عدی نے کہا اس کی روایت غیر محفوظ ہے اور ابو حاتم نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

امرت بقریۃ تاکل القری یقولون یثرب و ھی المدینۃ تنفی الناس کما ینفی الکیر خبیث الحدید

مجھے ایک ایسے شہر میں ہجرت کا حکم ہوا ہے جو دوسرے شہروں کو کھا جاتی ہے، یعنی سب کا سردار بنے گا منافقین اسے یثرب کہتے ہیں لیکن اس کا نام مدینہ ہے وہ برے لوگوں کو اس طرح باہر کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کا حکم دیا اگر یہ بات آپ نے مکہ مکرمہ میں فرمائی ہو اور اگر مدینہ طیبہ میں یہ بات فرمائی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر میں ٹھیرنے کا حکم دیا۔ قاضی عبدالوہاب نے فرمایا کہ آپ کے ارشاد گرامی تاکل القری کا معنی یہ ہے کہ اس کی فضیلت کو دوسرے شہروں پر ترجیح ہے اور ان کے مقابلے میں اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ ابن منیر نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ اس شہر کی فضیلت کا دوسرے شہروں کی فضیلت پر غلبہ مراد ہو مطلب یہ ہے کہ فضائل اس کے عظیم فضل کے پہلو میں کمزور پڑ گئے حتی کہ معدوم ہو گئے اور یہ بات مکہ مکرمہ کو ام القری تمام بستیوں کی ماں کہنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ماں کی موجودگی میں وہ لوگ مٹ نہیں جاتے جن کی وہ ماں ہے پس اسے ماں ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے رہنے والوں کا دوسری بستیوں پر غلبہ مراد ہو اور زیادہ قریب یہ ہے کہ دونوں پر محمول کیا جائے کیونکہ جس غرض کے لئے کلام چلایا گیا اس میں یہ زیادہ پہنچنے والا ہے۔ سید محمودی کا کلام مکمل ہوا۔ میں مصنف یعنی علامہ قسطلانی فرمارہے ہیں میں نے مدینہ طیبہ کی مکہ مکرمہ پر فضیلت کو زیادہ طوالت سے بیان کیا اگرچہ ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ ہر نفس کی خواہش اور جھکاؤ اس جگہ کی طرف ہوتا ہے جہاں اس کا محبوب موجود ہو۔

علی لربع العامرية وقفة ليملى على الشوق والدمع كاتب،

ومن مذهبی حب الديار لااهلها وللناس فيما يعشقون مذاهب،

عامریہ کے گھر یا محلے میں ٹھہرنا مجھ پر لازم ہے تاکہ لکھنے والا میرے شوق اور آنسوؤں کو تحریر میں لائے میرا مذہب یہ ہے کہ گھر والوں کی وجہ سے گھروں سے محبت کی جائے اور لوگوں کے لیے ان کے عشق میں مختلف مذاہب راستے ہیں۔

علاوہ ازیں قلم کے لیے مدینہ طیبہ کی فضیلت کی مختلف جہات میں وسیع میدان اور جامع گفتگو ہے لیکن اختصار کی طرف رغبت اس کے بچھونے کے کناروں کو لپیٹ رہی ہے اور یہ زیادہ کلام کا خوف اس کی طوالت اور اضافہ سے پھیرتا ہے۔عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے جو صحیح بخاری میں مروی ہے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی فضیلت، میں مساوات کا اجتہاد کیا ہے۔ حدیث یوں ہے: لیس من بلد الا سیطؤہ الدجال الامکۃ والمدینتہ۔ کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال نہ چلے سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے، اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت میں دونوں شہر مساوی ہیں کیونکہ دجال ان دونوں کے علاوہ تمام زمین کو روندے گا پس یہ بات فضیلت میں ان کی برابری پر دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں قیاس کے اعتبار سے بھی کئی وجوہ اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ کیونکہ مدینہ طیبہ کو اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفن ہونے اور وہاں آپ کے ٹھہرنے اور آپ کی مسجد شریف کی خصوصیت حاصل ہے تو مکہ مکرمہ کو آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت کی خصوصیت حاصل ہے یہ شہر آپ کا قبلہ ہے پس آپ کی ذات کریمہ مبارکہ کے سورج کا مطلع مکہ مکرمہ اور مغرب مدینہ طیبہ ہے اور مشہور قول کے مطابق اعلان نبوت کے بعد آپ کا مکہ مکرمہ میں قیام مدینہ طیبہ میں قیام کی مثل ہے کہ ان دونوں میں آپ نے دس دس سال قیام فرمایا انہوں نے اسی طرح فرمایا۔۔

(المواہب الدنیہ مترجم جلد 3 صفحہ 625 تا632 مطبع رومی پبلیکیشنز لاہور)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں, اللہ تعالیٰ اس کی عظمت و شرافت کو زیادہ کرے۔ واضح ہو کہ اجماع امت اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افضل مقامات اور بزرگ ترین شہروں میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں لیکن ان دونوں شہروں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت اور ترجیح دینے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعد اجماع تمام علماء رحمتہ اللہ علیہم کے اس مقام کو فضیلت دی ہے جو اعضائے شریفہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو موضع قبر شریف سے ملائے ہوئے ہے تمام اجزائے زمین کے افضل ہیں یہاں تک کہ خانہ کعبہ سے بھی اور بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ تمام سماوات حتی کہ عرش سے بھی اور کہتے ہیں اگرچہ کتب میں صریح ذکر آسمانوں اور عرش اعظم کا نہیں آیا ہے لیکن یہ بات اس قبیل سے ہے کہ جس شخص کے سامنے کہی جائے اس پر توقف اور انکار کی راہ مسدود ہو جائے۔ آسمان و زمین آپ کی تشریف آوری ہی کی وجہ سے معزز ہیں، بلکہ اگر تمام اجزائے زمین کو تمام آسمانوں پر اس لئے ترجیح دی جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی جگہ اجزائے زمین سے ہے تو گنجائش ہے اور آخر اس کلام کا فضیلت دینے میں آسمانوں اور زمینوں کے خلاف واقع ہوا ہے وہ امام نووی کے کلام کا تقاضا ہے وہ یہ کہ جمہور علماء زمین پر آسمانوں کو فضیلت دیتے ہیں اور بعض زمین کو آسمان پر اس لئے فضیلت دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا مستقرر اور جائے مدفن ہے تو آسمان ان کے ارواح مقدسہ کا محل اور مقر ہے لیکن جب یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو جمہور کے کلام کا جواب نہایت واضح ہے اس لیے اس صورت میں زمین جس طرح سے جسموں کے لیے جائے قرار ہے محل ارواح بھی ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ جتنی جگہ میں مزار اقدس ہے اس کو چھوڑ کر شہر مکہ کو شہر مدینہ پر اور شہر مدینہ کو شہر مکہ پر فضیلت دینے میں علماء کا اختلاف ہے مذہب امیر المومنین حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر نیز دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت اور امام مالک و اکثر علمائے مدینہ مدینہ کو مکہ پر فضیلت دیتے ہیں، اور بعض دوسرے علماء بھی جو مکہ

پر مدینہ کو فضیلت دیتے ہیں وہ کعبہ شریف کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شہر
مدینہ شہر مکہ سے افضل ہے لیکن خانہ کعبہ سب سے افضل ہے فیصلہ اس پر ہوا کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر انور مطلقاً اور بالعموم افضل واکرم ہے خواہ شہر مکہ مکرمہ ہو یا
خانہ کعبہ شریف اور خانہ کعبہ سوائے قبر شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ
منورہ سے افضل ہے اور باقی مدینہ افضل ہے باقی مکہ سے یا باقی مکہ افضل ہے باقی مدینہ
سے اس میں اختلاف ہے۔ اور جو مدینہ کی افضیلت پر دلائل بیان کرتے ہیں اس کے
محامد اور فضائل کے ذکر میں واضح ہو جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہر شریف سے جتنی زیادہ محبت ہے اتنی کسی اور شہر سے نہیں
ہے۔ اس میں آپ نے اقامت فرمائی اور یہیں آپ نے فتوحات عظیمہ حاصل کیں اور
یہیں کمالات شریفہ اپنے وعدہ کو پہنچے اور یہی جگہ اسلام کی قوت دین کے رواج تمام اول
و آخر خیر وبرکات کا سرچشمہ اور جملہ کمالات ظاہر و باطن کا معدن اور سعادت عظمیٰ اور
نعمت کبری کا مبداء ہے انہیں جوہ سے یہ تمام قطعات ارضی و سماوی سے ممتاز ہے اور
ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مرقد شریف اور قبر انور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہیں
ہے۔ کوئی نعمت منجملہ نعمت دینوی اور اخروی سے اس کا مقابلہ اور برابری نہیں کر سکتی
اور کوئی عمل فرائض و واجبات کے بعد اس کی زیارت کی برابری نہیں کر سکتا۔ اگر آپ
اس بات کا لحاظ کریں جو متعدد طریقہ سے احادیث صحیحہ میں آئے ہیں تو ظاہر ہو جائے گا
کہ ہر نفس کی پیدائش اس مٹی سے ہے جہاں وہ دفن ہوتا ہے اس سے ثابت ہو جاتا ہے
کہ پیدائش نفس پاک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مدینہ منورہ کی مٹی
سے ہے اور اسی طرح سے اکثر وہ نفوس آل واصحاب اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
اجمعین جو اس شہر میں آرام فرماہیں یہیں کی مٹی سے تھے اور مدینہ منورہ کے لئے یہی
فضیلت و شرافت کافی ہے، اس کے برعکس سب سے بڑی دلیل مکہ مکرمہ کی فضیلت میں
جو لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اعمال کا ثواب مکہ کی مسجد میں چند گنا ہوتا ہے بلکہ اس کے

تمام حرم میں جیسا کہ بعض علماء کے اقوال اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور حدیث صحیحہ میں بھی آیا ہے کہ مسجد نبوی میں ادا کی ہوئی ایک نماز ہزاروں نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ادا کی ہوئی ایک نماز ہے ایک لاکھ کے برابر ہے۔ لیکن جو لوگ مدینہ کی افضلیت کے قائل ہیں وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ فضیلت کے اسباب ثواب کی کمی بیشی پر منحصر نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ خاصیت مکہ مکرمہ کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور طرح طرح کی کرامات و برکات بوجہ محبت خدا اور نفع پہنچانا اسلام اور اہل اسلام کو مخصوص مدینہ پاک سے ہو۔ اس کلام کی تقویت و تائید میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ جس طرح عرفات میں نماز کا ادا کرنا اس شخص کے لئے جو متوجہ ہے عرفات کی جانب اور منا کے اندر نماز ظہر یوم نحر میں، مسجد حرام کے اندر نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔ باوجود اس کے حرم میں ثواب کی زیادتی معلوم ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو برکت اور فضیلت اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاصل ہے باوجود اس بات کے کہ خلاصہ زیادتی کا سوائے کثرت عدد و تعداد مقدار کے اقل ہو یا باعتبار کیفیت اور حالت برکت و عظمت افضل ہو اور اگر زیادتی مطلق ثواب افضیلت کے لئے کافی ہوتی تو ثابت ہی ہے کہ افضلیت میں کعبہ کے اندرونی حصہ کو مسجد حرام کے باہر والے حصے پر کسی شخص کو اختلاف نہیں ہے۔ باوجود اس بات کے کہ فرض نماز کے صحیح ہونے میں خانہ کعبہ کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ جائز نہیں رکھتے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ اسباب فضیلت کے ثواب کی زیادتی پر منحصر نہیں ہیں اور ایک دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں قبولیت کا سبب اور اس کے متناہی لامحدود برکات کا فیضان ہو جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور بہترین مقام اللہ پاک کے برکات اور رحمت و رضوان کا مقام ہے اور یہی دربار الٰہی عزوجل سے فرشتوں کے نازل ہونے کی جگہ ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مقام کے قرب کی برکت کی وجہ سے رحمت و آثار فیض اور عنایت

ومحبت حضرت صمدیت سے ایک خاص حالت اور نور و قبول نصیب ہو جس کی حصول یابی اعمال کے زائد ہونے اور زیادتی طاعت کے باوجود نہ ہو سکے۔ حالانکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صفت حیات اس مقام مقدس میں قائم اور موجود ہیں اور اس طرح قائم اور موجود ہیں کہ آپ کو اعمال اور ترقیات دائمی نصیب ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال تمام بندوں سے باوجود فرض کے اکثر اور ارجح وافضل ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ امداد و استغفار و شفاعت میں اپنی امت کے ہیں۔ فیض کا پہنچنا مدینہ منورہ کے قرب و جوار سے اور لوگوں کو نفع پہنچنا ان کی طاعت میں اس زیادتی سے جو کہ مکہ مکرمہ میں حاصل کرتے ہیں۔ یہ کلام امام تقی الدین سبکی کا ہے جو نہایت باریک اور بہت ہی صاف ولطیف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت میں دوسری دلیل یہ ہے کہ خانہ کعبہ ارکان حج اور تقریبات کے ادا کرنے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ حج و عمرہ۔ باوجود ثواب اور فضائل کے جو ان اعمال کے ادا کرنے میں وارد ہوئے ہیں۔ جواباً کہتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے مدینہ منورہ میں بھی اعمال حسنہ کرنے سے اجر کا وعدہ فرمایا ہے جو حج و عمرہ کا بدل ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا قصد کرے اس لئے کہ اگر اس میں دو رکعت نماز ادا کرے تو مکمل حج کا ثواب پاتا ہے اور اگر مسجد قباء کا ارادہ کرے اور وہاں پہنچ کر اس کے اندر دو رکعت نماز پڑھ لے تو اس کو عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے یہ مقام غور ہے کہ مسجد نبوی میں ہر شب وروز میں نماز پڑھنا کئی گنا ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے اور حج سال میں سوائے ایک بار کے ممکن نہیں۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مکۃ خیر بلا داللہ اور دوسری روایت میں احب الاض اللہ بھی ارشاد ہوا ہے جب سید کائنات نے مکہ سے کوچ فرمایا تو مقام معلا کے قریب خرورہ یا برجوں میں سے کسی ایک جگہ پر کھڑے

ہو کر مکہ مکرمہ سے یہ خطاب کیا کہ اے بزرگ شہر تو میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے اگر تیری قوم مجھے باہر نہ نکالتی تو میں یہاں سے ہر گز نہ جاتا۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی مکہ مکرمہ کی افضلیت کو ثابت کرتا ہے اور اس شہر کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مدینہ منورہ کی فضیلت سے بہت پہلے کا ہے اور وحی سماوی سے اس کی جو فضیلت ظاہر ہوئی ہے وہ اس واقعہ کے بعد کی ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ عرصہ دراز تک آپ مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے ہیں اور یہیں سے دین کا ظہور اور فروغ ہوا اور بڑے بڑے امور و برکات نیز فتوحات اور اسلام کی فلاح اور بہت سی نیکیوں کا ظہور بھی اسی جگہ سے ہوا ہے۔ اس لئے یہ مقام تمام شہروں اور جملہ مقامات سے افضل و اکمل ہے اور اسی لئے دربار صمدیت سے مدینہ منورہ میں برکت اور چند گنا زائد ثواب کی خبر دی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے دوستی کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ احادیث جن میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ صحیفہ ظہور پر نقش قبول کریں گی۔ آپ نے فرمایا۔ اللھم حبب الینا المدینتہ کحبنا مکتہ او اشد ترجمہ: اے اللہ ہمارے لئے مدینہ کو اتنا ہی محبوب کر دے جتنا کہ مکہ کو کیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ، طبرانی نے معجم کبیر میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے۔ المدینتہ خیر من المکتہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطریق توبیخ و انکار کے عبداللہ بن عیاس مخزومی سے کہا تم کہتے ہو کہ مکہ افضل ہے مدینہ سے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں مکہ حرم ہے اللہ تعالی کا اور اس کی امن کا مقام ہے اور مکہ میں حق سبحانہ تعالی کا گھر ہے۔ حضرت عمر نے دوسری بار فرمایا کہ میں حرم اللہ تعالیٰ اور اس کے گھر کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ میرا تو سوال یہ ہے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ "مکہ افضل ہے مدینہ سے؟ انہوں نے پھر کہا کہ مکہ حرم اللہ عزوجل ہے اور اس میں اس کا گھر ہے۔

حضرت عمر نے تیسری بار فرمایا کہ "میں حرم خدا اور بیت اللہ کے متعلق تو دریافت ہی نہیں کرتا" کچھ دیر تک باہم اسی طرح گفتگو ہوتی رہی اور پھر حضرت عمر چلے گئے۔

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ پر مدینہ کو فضیلت دینے میں کعبہ مکرمہ مستثنٰی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ مکہ شہر پر مدینہ شہر افضل ہے۔ سوائے بیت اللہ کے چنانچہ حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو فرمایا اللھم انک ان اخرجتني من احب البقاع الی فاسکنی فی احب البقاع الیک۔ ترجمہ: اے اللہ اگر تو مجھے کو اس جگہ سے جو میرے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہے۔ باہر لاتا ہے تو میری سکونت ایسی جگہ میں کر جو تیرے نزدیک تمام مقامات میں محبوب ترین ہو۔ چنانچہ اس دعا کے قبول ہو جانے کے بعد یہ مقام اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہو گیا اور اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد بھی آپ نے اس طرف واپسی نہیں فرمائی اور مدینہ منورہ ہی کے قیام پر استقامت کی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دار ہجرت میں قیام حکم الہی کی فرضیت کی وجہ سے ہے نہ کہ باعتبار فضیلت۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف سے کیسے منتقل ہو سکتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں حکم الہی مکہ کو منتقل نہ ہونا اور مدینہ منورہ میں مستقل اقامت فرمارہنا تقاضائے حکمت کے موافق تھا اور یقیناً اس صورت میں دار مدار افضلیت ہی پر رہا۔ اور ثابت ہوا کہ اللہ کے نزدیک بھی یہی جگہ محبوب رہی ہے۔ اذالحبیب لایختار لحبیبہ الاماھو احب واکرم عندہ ترجمہ: اس وجہ سے کہ محبوب نہیں پسند کرتا ہے اپنے محبوب کے لئے مگر وہ چیز کہ وہ محبوب اور بہتر ہو اس کے نزدیک بیت۔، حیف است جائے تو نگاری بچشم من در دل نشیں کہ منزل خاص از بروئے تست۔

ترجمہ: اے میرے حبیب میں یہ کیسے کہوں کہ میری آنکھوں میں سما جائیں میری تو گزارش ہے کہ آپ کے ٹھرنے کی مخصوص جگہ تو میرا دل ہی ہے، اور عالم اپنے مذہب

اور مسلک پر اس کو لکھتے ہیں لیکن عام لوگوں کو چاہئے کہ نسبت کا لحاظ رکھیں اور محبت کے مشرب پر قائم رہیں۔ ہمیں اس عقیدے پر قائم رہنا چاہئے کہ جناب احد عزشانہ کی فضیلت کے بعد ساری فضیلت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ ہر چیز پر ہر وجہ اور ہر جہت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو فضیلت دے اس میں کچھ لحاظ نہ کرے۔ باقی جتنی چیزیں ہیں ان کی فضیلت نسبتی ہے جتنی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اتنی ہی اس کی فضیلت ہے۔ مکہ مکرمہ ہو خواہ مدینہ منورہ اگر مکہ آپ کا جائے پیدائش ہے تو مدینہ منورہ آپ کا مسکن ہے۔ اس لئے حکم الٰہی کے تابع رہنا چاہئے اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔ مکہ میں اس کے حکم کی سطوت و جلال ہے تو مدینہ میں برکت اس کے دین کے کمال کی۔ ہر جگہ اللہ کے امر کا ملاحظہ دیکھ اور ہر جگہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرتا رہ۔، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(جذب القلوب الی دیار المحبوب صفحہ 16 تا 23 ناشر شبیر برادرز لاہور)

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں, اس بات میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں اور اس معاملہ میں سب لوگ متفق ہیں کہ آرام گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تمام جگہوں سے افضل ہے،

قاضی الولید باجی فرماتے ہیں۔ کہ مقتضا حدیث یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام دوسری تمام مسجدوں کے مقابلہ میں مختلف ہے۔ اور اس سے وہ حکم معلوم نہیں ہوتا جو مسجد نبوی کی رائے ہے۔ مشہور محدث امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ مسجد حرام کی فضیلت صرف فرض نمازوں کے لئے ہے۔ مالکیوں کی ایک مقتدر شخصیت کا قول یہ ہے کہ فضیلت فرائض ہی میں نہیں بلکہ نوافل میں بھی ہے موصوف نے فرمایا کہ وہاں کا جمعہ دوسری جگہوں کے جمعہ سے اور رمضان المبارک دوسری جگہوں میں رمضان گزارنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ شیخ عبدالرزاق نے ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے جس میں مدینہ طیبہ

میں رمضان مبارک گذارنے اور دوسری عبادت کرنے پر فضیلت ثابت کی ہے اور اپنے دعویٰ کے سلسلہ میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مدینہ طیبہ کی فضیلت میں یہی ایک وزنی دلیل کافی ہے کہ سرکار دو عالم صل اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ میرے گھر حجرہ عائشہ صدیقہ اور منبر کا درمیان خطہ جنت کے باغوں کی ایک کیاری کی مثل ہے۔

(شفاء شریف مترجم جلد 2 صفحہ 158 رضوی کتاب گھر دہلی)

ملفوظات اعلی حضرت میں ہے۔

عرض: حضور! مدینہ منورہ میں ایک نماز پچاس ہزار کا ثواب رکھتی ہے اور مکہ مکرمہ میں ایک لاکھ کا، اس سے مکہ معظمہ کا افضل ہونا سمجھا جاتا ہے؟ ارشاد: جمہور حنفیہ (یعنی اکثر حنفی علماء) کا یہ ہی مسلک ہے اور امام مالک رحمۃُ اللہ علیہ کے نزدیک مدینہ افضل اور یہی مذہب امیر المؤمنین فاروق اعظم کا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: مکہ معظمہ افضل ہے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم کہتے ہو مکہ مدینہ سے افضل ہے! انہوں نے کہا واللہ! بیت اللہ و حرم اللہ۔ فرمایا: میں بیت اللہ اور حرم اللہ میں کچھ نہیں کہتا، کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ انہوں نے کہا: بخدا خانہ خدا و حرم خدا۔ فرمایا: میں خانہ خدا و حرم خدا میں کچھ نہیں کہتا، کیا تم کہتے ہو مکہ مدینے سے افضل ہے؟ وہ صحابی وہی کہتے رہے اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ فرماتے رہے۔ یہی میرا یعنی اعلی حضرت کا مسلک ہے۔ صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم فرماتے ہیں، مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانیں۔ دوسری حدیث نص صریح ہے فرمایا مدینہ مکہ سے افضل ہے۔

(ملفوظات اعلی حضرت صفحہ 237 مطبع مکتبۃ المدینۃ)

امام اہلسنت لکھتے ہیں،
تربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسم انور سے متصل ہے کعبہ معظمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے 'صرح بہ عقیل الحنبلی وتلقاہ العلماء بالقبول اس پر ابو عقیل حنبلی نے تصریح کی اور تمام علماء نے اسے قبول کیا۔ باقی مزار شریف کا بالائی حصہ اس میں داخل نہیں کعبہ معظمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ سوائے موضع تربت اطہر اور مکہ معظمہ سوائے کعبہ مکرمہ ان دونوں میں کون افضل ہے، اکثر جانب ثانی ہیں اور اپنا مسلک اول اور یہی مذہب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، طبرانی کی حدیث میں تصریح ہے کہ المدینۃ افضل من مکۃ مدینہ مکہ سے افضل ہے

(فتاویٰ رضویہ جلد 10 صفحہ 718 رضا فاؤنڈیشن)

علامہ شریف الحق رحمہ اللہ نے نزہتہ القاری میں مدینہ طیبہ افضل یا مکہ مکرمہ اس پر تفصیلی کلام کیا ہے طوالت کی وجہ سے ہم اس سے صرف نظر فرمارہے ہیں،
آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں، یہ ارشاد یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شہر مکہ سے یہ خطاب کرنا کہ تو مجھے تمام شہروں سے محبوب ہے تیری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں یہاں سے نہ نکلتا، ہجرت کے وقت کا ہے، اس وقت تک مدینہ طیبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف نہیں ہوا تھا، اس وقت تک مکہ پوری سر زمین سے افضل تھا مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ شرف اسے حاصل ہو گیا۔
(نزہتہ القاری ج جلد 2 صفحہ 711)

روضہ رسول ﷺ جنت کا باغ ہے تو وہاں بھوک پیاس کیوں؟

ابو بکر نے عباد بن تمیم سے، انھوں نے عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے: جو جگہ میرے منبر اور میرے گھر کے درمیان ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے،
(صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 3369)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1-نبی کریم صلی اللہ علیہ کے بیت اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کا باغ ہے،
2-اس روایت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے، اگر یہ واقعی جنت کا باغ ہے تو پھر اس جگہ پیاس و دیگر چیزوں کی حاجت کیوں ہوتی ہے؟ جبکہ جنت میں ان چیزوں کی حاجت نہیں ہوگی،
3-اس کا جواب یہ ہے اگرچہ یہ حصہ جنت کا باغ ہے، مگر اس حصہ سے وہ اوصاف منقطع کر دیے گئے ہیں جو اوصاف جنت میں ہوں گے پس اسی وجہ سے اس جگہ پیاس اور دیگر حاجات بھی لاحق ہوا کرتی ہیں، جیسے حجر اسود اگرچہ جنتی پتھر ہے باوجود اس کے اس کے پاس پیاس بھی لگتی ہے اور دیگر حاجات بھی لاحق ہوا کرتی ہیں،
4-اس روایت پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے اگر یہ واقعی جنت کا باغ ہے تو جنت والے اوصاف جس کی ہمیں خبر دی گئی ہے وہ اس حصہ میں نظر کیوں نہیں آتے؟
5-اس کا جواب یہ ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بیت یا میری قبر و منبر کے درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے چونکہ اس جگہ کو جنت پر محمول کرنا خلاف ظاہر تھا اس لیے علماء اسلام نے اس حدیث کی متعدد تاویلات کی ہیں، بعض علماء نے کہا یہ جگہ نزول رحمت اور حصول سعادات میں جنت کی مثل ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس جگہ عبادت کرنا دخول جنت کا سبب ہے یا یہ جگہ جنت میں منتقل کر دی جائے گی، علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

علامہ ابو عبد اللہ دشتانی مالکی نے ان تمام تاویلات کا رد کیا ہے، اور اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا ہے، علامہ دشتانی لکھتے ہیں: ہمارے شیخ ابو عبد اللہ فرماتے ہیں، کہ اس میں کوئی امتناع یا استبعاد نہیں ہے کہ یہ جگہ بنفسہ جنت کا ایک ٹکڑا ہو یہ امر ممکن ہے، اور شارع علیہ السلام نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اس لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، شیخ پر اعتراض کیا گیا کہ اس جگہ کے جنت ہونے سے مانع یہ چیز ہے کہ حدیث میں جنت کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں وہ اس جگہ نہیں پائی جاتیں؟ شیخ نے فرمایا یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں پر وہ صفات ہوں اور ہمیں نظر نہ آتی ہوں، شیخ پر اعتراض کیا گیا کہ حکماء نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمارے سامنے بڑے بڑے دریا اور پہاڑ ہیں جو ہمیں نظر نہیں آرہے تو اس کا یہ قبول فاصد ہے، شیخ نے فرمایا اگر نبی علیہ السلام یہ فرمائیں کہ ہمارے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اور دریا ہیں جو تمہیں نظر نہیں آرہے تو اس پر ایمان لانا واجب ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس دیوار کے عرض میں جنت اور دوزخ دکھائی گئی اور آپ کا یہ فرمانا حقیقت پر محمول ہے (شرح صحیح مسلم جلد 3 صفحہ 744)

مدینہ حرم ہے مگر ابو حنیفہ کیوں نہیں مانتے؟

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا: جس نے یہ گمان کیا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ اور وہ صحیفہ ان کی تلوار کے تھیلے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، کے علاوہ کچھ ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو اس نے جھوٹ بولا، اس میں دیت کے اونٹوں کے دانتوں عمروں اور زخموں کی دیت کے کچھ احکام ہیں، اور اس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، عیر سے ثور تک کے درمیان سارا مدینہ حرم ہے، جس نے اس میں کسی بدعت کا ارتکاب کیا یا بدعت کے کسی مرتکب کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو گی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کوئی عذر قبول کرے گا نہ کوئی بدلہ، اور سب مسلمانوں کی ذمہ داری امان ایک جیسی ہے، ان کا ادنیٰ شخص بھی ایسا کر سکتا ہے امان دے سکتا ہے، جس شخص نے اپنے والد کے سوا کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا یا جس غلام نے اپنے موالی آزاد کرنے والوں کے سوا کسی اور کی طرف نسبت اختیار کی اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کوئی عذر قبول فرمائے گا نہ بدلہ (صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 3327)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1-لوگوں کو خطبہ دینا جائز ہے،

2-حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ہی بعض لوگوں نے یہ بات پھیلا رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موجودہ قرآن کے علاوہ کچھ اور علوم بھی ہیں جو صرف آپ کو ہی بتائے گئے ہیں، اس لیے آپ سے اس کے بارے میں مختلف مواقع پر سوال کیا گیا اور آپ نے بھی مختلف مواقع اور مختلف مناسبتوں سے اس کی تردید اور تکذیب فرمائی، لیکن اس تصریح کے باوجود بھی بعض لوگوں کا اب بھی یہی دعویٰ ہے کہ نعوذ باللہ قرآن میں بھی کمی کر دی گئی ہے، جبکہ وہ فرمارہے ہیں، ہم بھی وہ کتاب اللہ پڑھتے ہیں جو سب کے پاس ہے، ہمارے پاس اس سے زائد نہیں ہے اور ان کے صحیفہ کی

اشیاء بھی دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین مروی ہے،
3-مسائل کو لکھ کر محفوظ کر لینا چاہیے اور اس لکھے ہوئے کو لوگوں میں بیان کرنا جائز ہے،
4-بدعت سیئہ کا ارتکاب ناجائز و حرام ہے،
5-بدعت سیئہ کو ایجاد کرنا بھی ناجائز و حرام ہے،
6-مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ میں جو شخص بدعت کا ارتکاب کرتا ہو، اس کو ایجاد کرے ایسے انسان کو پناہ دینے والے پر اللہ کی فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو گی،
7-قیامت کے دن اس کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا،
8-مسلمان کسی بھی انسان کو امان دے سکتا ہے وہ مسلمان چاہے امیر ہو یا غریب سب کی امان ایک جیسی ہو گی،
9-جس کسی شخص نے اپنے آپ کو اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یعنی نسب تبدیل کیا تو اس پر اللہ عزو جل کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، قیامت کے دن اس کا کوئی عذر قبول نہیں ہو گا،
10-غلام نے اپنی نسبت اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف کی تو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اور قیامت کے دن اس کا کوئی عذر قبول نہ ہو گا،
11-اس روایت پر اعتراض یہ وارد ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو حرم بنایا جس کا مطلب یہ ہے وہاں کے پیڑ کاٹنا یا شکار کرنا ناجائز و حرام ہے، مگر امام ابو حنیفہ مدینہ منورہ کو حرم قرار نہیں دیتے جس سے حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے،
12-اس کا جواب یہ ہے مدینہ حرم ہونے کے حوالے سے اہلِ علم میں اختلاف ہے، امام مالک امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مدینہ کا بھی حرم ہے، جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اَحکام کے اعتبار سے حرمِ مکی کی طرح مدینہ منورہ کا حدودِ حرم نہیں، تاہم مسجدِ نبوی اور مدینہ منورہ کے فضائل اپنی جگہ مسلم ہیں، جو کسی اور شہر و مقام کو حاصل نہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی دونوں جانب کی پتھریلی زمین کے

درمیانی حصے کو حرم قرار دیاہے، اس سے مراد حرمتِ تعظیمی ہے، نہ کہ دم لازم ہونے کے اعتبار سے حرمت بیان کرنا، چنانچہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مدینہ منورہ کے شکار کی ممانعت منقول نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ سے بھی مدینہ منورہ میں شکار کی ممانعت کسی مستند ذریعے سے منقول نہیں ہے، جس وجہ سے اس کے پیڑ کاٹنا یا شکار کرنا حرام ہو، اور اس کے حرم نہ ہونے پر حدیث شاہد ہیں اور جن حدیث میں مدینہ منورہ کے پیڑ کاٹنے کو منع فرمایا گیا وہ زینت کی وجہ سے ہے کہ پیڑ اور گھروں سے زینت ہوتی ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے پیڑ کاٹنے کو منع فرمایا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کے پاس ایک پرندہ تھا اور وہ اس کو پالتے تھے، بخاری میں ہے انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے، میرا ایک بھائی ابو عمیر نامی تھا۔ بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ بچہ کا دودھ چھوٹ چکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تو اس سے مزاحاً فرماتے یا اَبا عمیر ما فعل النغیر صحیح بخاری حدیث 6203

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے مدینہ منورہ حرم نہ ہو چونکہ اگر مدینہ حرم ہوتا تو اس پرندے کو پکڑنا جائز نہ ہوتا مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کے پاس وہ پرندہ تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پرندے کے بارے میں معلوم کیا کرتے تھے، اگر مدینہ حرم ہوتا تو آپ علیہ السلام اس پرندے کو آزاد کرنے کا حکم فرماتے، چونکہ حرم کے پرندے کو پکڑنا جائز نہیں،

علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں کہ امام احمد، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک مدینہ حرم ہے اس کے درختوں کو کاٹنا اور اس کے جانوروں کا شکار کرنا جائز نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ مدینہ مکہ کی طرح حرام نہیں ہے پس مدینہ کے جانوروں کا شکار کرنے سے

اور مدینہ کے درختوں کو کاٹنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ کے جانوروں کے شکار سے منع کیا ہے اور درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے وہ بطور تحریم کے نہیں فرمایا، بلکہ اس لیے منع فرمایا ہے تاکہ مدینہ کی زینت باقی رہے، کیونکہ امام طحاوی نے روایت کیا ہے حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کی عمارات کو نہ گراو کیونکہ یہ مدینہ کی زینت ہیں، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ کے ام سلیم سے ایک بیٹے تھے۔ ابو عمیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تو اس سے مزاح فرماتے تھے، ان کے پاس ایک پرندہ تھا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابو عمیر رکو غمگین دیکھا۔ آپ نے پوچھا کہ ابو عمیر کیوں اداس ہے ؟ آپ کو بتایا گیا کہ ان کا پرندہ مر گیا آپ نے فرمایا: یا ابا عمیر ما فعل النغیر، یہ حدیث صحیح مسلم ترمذی سنن نسائی اور دوسری کتب صحاح میں ہے۔
شوافع نے اس حدیث کے جواب میں یہ کہا ہے کہ یہ پرندہ حل یعنی مدینہ کے باہر سے لایا گیا تھا، لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ حل سے اگر کوئی جانور حرم میں لایا جائے تو اس کا حکم بھی حرم کے جانور کا ہے اور اس کو پکڑنا جائز نہیں ہے۔
مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک وحشی جانور تھا جو گھر میں کھیلتا تھا اور بھاگتا پھرتا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو ٹھہر جاتا اور چھلانگیں نہیں لگاتا تھا، اور امام طحاوی نے تین سندوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شکار کرتے تھے اور شکار کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے تھے، ایک دن انہیں دیر ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر کا سبب پوچھا انھوں نے کہا یارسول اللہ، شکار ہم سے بھاگ گیا اور ہم تیت سے لے کر قناۃ تک شکار کا پیچھا کرتے رہے آپ نے فرمایا اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو میں بھی تمہارے سے ساتھ جاتا امام طحاوی

فرماتے ہیں، کہ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ میں شکار کرنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدینہ میں شکار کرنے کی جگہ حضرت سلمہ کو بتائی ہے، احناف کہتے ہیں کہ اصل میں درختوں کا کاٹنا اور شکار کرنا حلال ہے مکہ مکرمہ میں دلائل قطعیہ سے ان کو حرام کر دیا گیا۔اور مدینہ میں شکار اور درختوں کو کاٹنے کی حرمت پر دلیل قطعی نہیں پائی گئی اور جن احادیث میں درختوں کو کاٹنے اور شکار کرنے سے منع کیا ہے وہ تحریم کی بناء پر نہیں بلکہ مدینہ کی زینت کو باقی رکھنے کے لیے ہے کیونکہ درختوں کو کاٹنے اور شکار کرنے کا ثبوت دوسری صحیح احادیث میں ہے، اس لیے مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ کی طرح حرم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں داخل ہونے کے لیے احرام نہیں باندھا جاتا۔

شرح صحیح مسلم جلد 3 صفحہ 727

نفلی عبادت کے لیے دنوں کو خاص کر لینا جائز ھے

رسول اللہ ﷺ ہر ہفتے کے روز قباء آتے، آپ وہاں سوار ہو کر اور کبھی پیدل تشریف لاتے تھے، ابن دینار نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے، (صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 3396)

حدیث مذکورہ سے اخذ ہونے والے مسائل فوائد

1 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ قباء تشریف لے جاتے،
2 مسجد کے لیے بندہ پیدل اور سواری سے بھی جا سکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں،
3 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے حضرت ابن عمر بھی قباء تشریف لے جاتے،
4 صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل ہر طریقہ کو اپنانے میں پیش پیش رہا کرتے تھے،
5 اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے نفلی عبادت کے لیے یا زیارت کے لیے دنوں کو خاص کر لینا متعین کر لینا جائز ہے، اور اسی حدیث کی بنیاد پر تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں کے لیے دنوں کو متعین کر لینا جائز ہے، البتہ وہ امور کے جن امور کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات مخصوصہ میں ممانعت فرمائی ہے وہ اس حکم سے مستثنٰی ہے مثلاً جمع کا خاص کر روزہ رکھنا یا شب جمعہ کو مخصوص طریقہ سے عبادت کرنا وغیرہ حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم راتوں میں سے صرف شب جمعہ کو قیام کے لیے خاص کرو نہ دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے خاص کرو الا یہ کہ وہ جمعہ کا دن تم میں سے کسی کے روزہ رکھنے کے ایام میں آجائے، (مشکوٰۃ المصابیح حدیث 2052)

خاتمہ

الحمد لله رب العالمين الذی بنعمته تتم الصالحات، والصلوٰة والسلام علیٰ خاتم النبيين محمد ﷺ الذی أكمل الله به الدين وأتم به النعمة، وعلیٰ آله وأصحابه الذين حملوا لواء السنة ونشروها بين الأمة، وعلیٰ من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

اما بعد! یہ چھوٹا سا مجموعہ چالیس منتخب احادیث صحیح مسلم سے اخذ کردہ مسائل فوائد روایات پر اعتراض کے جواب، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رحمت سے مکمل ہوا۔ اس میں کوشش کی گئی کہ صحیح مسلم کی ان گہری احادیث سے چند مسائل مستنبط کیے جائیں، جو میرے محدود علم اور غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر حدیث میں سینکڑوں فوائد اور احکام چھپے ہوتے ہیں، اور یہ مجموعہ محض ایک ابتدائی کوشش ہے کہ قاری محترم احادیث پر تدبر اور استنباط کی طرف راغب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی کہ صحیح مسلم کی احادیث سے استفادہ کروں اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہو، اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، ورنہ بندہ کی اپنی کوئی طاقت نہیں۔

قاری کرام! یہ کتاب پڑھنے کے بعد دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو سنت نبوی ﷺ کی مکمل پیروی کی توفیق عطا فرمائے، احادیث میں غور و فکر کرنے والا بنائے، اور ان کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنے والا کرے۔ ہماری غلطیوں سے درگزر فرمائے، ہمارے اعمال کو قبول فرمائے، اور آخرت میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔

اللهم اجعلنا من أهل السنة والجماعة، واهدنا بهدی محمد ﷺ، وارزقنا اتباع سنته فی السر والعلانية، وتوفنا علی ملته، وحشرنا فی زمرته، وأوردنا حوضه، واسقنا منه شربة هنيئة مريئة لا نظمأ بعدها أبداً۔ آمین یا رب العالمین!

فقیر احقر عاجز خاکسار سگ بارگاہ امام اعظم ابو حنیفہ
محمد دانش حنفی مقیم حال ہلدوانی نینی تال
مؤرخہ 19 شعبان المعظم 1447ھ

مصنف کی دیگر کتابیں







